اسلاف

کی

طالبِ علمانہ زندگی

اور

اصول و آداب کی مثالی رعایت

تصنیف

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالنپوری

باھتمام

مولانا علی حسن صاحب مظاہری

ناظم دار العلوم امدادیہ گڑھی یمنا نگر

شعبۂ نشر و اشاعت

دار العلوم امدادیہ گڑھی یمنا نگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلاف کی طالب علمانہ زندگی

اور

اصول و آداب کی مثالی رعایت

مؤلف
مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی، پالن پوری (کاکوسی)

اشاعت کی عام اجازت ہے

نام کتاب : اسلاف کی طالب علمانہ زندگی
اور اصول و آداب کی مثالی رعایت

تالیف : مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پالن پوری

کمپوزنگ : نورانی کمپیوٹر، مالیگاؤں 9370161629

ڈیزائننگ : الفضل کمپیوٹر

اشاعت ثانی : ۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

شعبہ نشر و اشاعت: دارالعلوم امدادیہ یمنا نگر (ہریانہ) 9416024060

ملنے کے پتے

دارالعلوم امدادیہ گڑھی یمنا نگر ہریانہ ☆ مکتبہ ملت، دیوبند ☆ دارالکتاب، دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند ☆ الامین کتابستان دیوبند ☆ مکتبہ فیض عام، نئی دہلی

کتب خانہ عزیزیہ، جامع مسجد دہلی ☆ فرید بک ڈپو، دہلی ☆ مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ، ممبئی

مکتبہ السلام، جامع اشاعت العلوم، اکل کوا ☆ ادارہ اسلامیات، 36 محمد علی روڈ ممبئی

کتب خانہ رحیمیہ، اسٹیشن روڈ، پالن پور

جامعہ علی ابن ابی طالب، اکلی "جھارکھنڈ"

التماس

تمام ناظرین کرام سے التما س ہے کہ کتاب میں اگرکسی طرح کی کوئی غلطی محسوس فرمائیں یا کوئی صلاح و مشورہ دینا چاہتے ہوں تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ فقط حفظ الرحمٰن پالن پوری (بمبئی)

09323872161

التماس: تمام ناظرین کرام سے التما س ہے کہ کتاب میں اگرکسی طرح کی کوئی غلطی محسوس فرمائیں یا کوئی صلاح ومشورہ دینا چاہتے ہوں تو ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ فقط حفظ الرحمٰن پالن پوری (بمبئی)

09323802161

فہرست مضامین

قرون اولیٰ میں علمی شوق وولولہ اور تحصیل علم کا طریق کار

چوتھی صدی کے وسط تک تعلیم و تعلم کا طرز و طریق

اسلام میں موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء

تعلیم و تعلم اور اس کے ظاہری آداب

پہلا ادب۔ طالب علم۔ اور علم کی سچی طلب اور شوق

دوسرا ادب۔ طالب علم اور وقت کی قدر و اہمیت

تیسرا ادب۔ طالب علم اور علمی محنت اور جد وجہد

چوتھا ادب۔ طالب علم اور اسباق کی پابندی

پانچواں ادب۔ طالب علم اور استاذ کی تقریر توجہ اور دلجمعی سے سننا

چھٹا ادب۔ طالب علم اور تکرار وعلمی مذاکرہ

ساتواں ادب۔ طالب علم۔ اور مطالعہ وکتب بینی

آٹھواں ادب۔ طالب علم اور کامل یکسوئی وعلمی انہماک

نواں ادب۔ طالب علم اور استاذ کی تعظیم اور ادب واحترام

دسواں ادب۔ طالب علم اور استاذ کی خدمت اور ان کے ساتھ لگاؤ

گیارہواں ادب۔ طالب علم اور دینی کتب اور آلات علم کا ادب واحترام

بارہواں ادب۔ طالبعلم اور تعلیمی امور میں استاذ سے صلاح ومشورہ

تیرہواں ادب۔ طالب علم اور علم کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا

تعلیم وتعلم اور اس کے باطنی آداب

پہلا ادب۔ طالب علم اور حسن نیت

دوسرا ادب۔ طالب علم اور تقویٰ وطہات

تیسرا ادب۔ طالب علم اور علم وعمل میں مطابقت

چوتھا ادب۔ طالب علم اور تواضع وفروتنی

پانچواں ادب۔ طالب علم اور تزکیۂ باطن

دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور اس کی ضرورت

چھٹا ادب ۔ طالب علم اور اتباع سنت

ساتواں ادب ۔ طالب علم اور استغنا وغنائے قلب

آٹھواں ادب۔ طالب علم اور دعا ومناجات

تقریظ

مفسر قرآن، محدث کبیر، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وشارح حجۃ اللہ البالغہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ! امابعد!

قرآن کریم کا پہلا سبق تعلیم ہے، ارشاد پاک ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

اپنے اس پروردگار کے نام کی مدد لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا ہے، انسان کو اس نے خون بستہ سے پیدا کیا ہے، پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا سخی ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ علوم سکھائے ہیں جو وہ نہیں جانتا...... یہ قرآن کی پہلی وحی ہے اس سے تعلیم وتعلم کی اہمیت واضح ہے۔........... مگر ہر کام کے کچھ آداب ہوتے ہیں آداب کا لحاظ کرکے کام کیا جائے تو وہ ثمر بار ہوتا ہے، اس وقت میرے سامنے جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی پالن پوری کی نہایت مفید کتاب ''اسلاف کی طالبعلمانہ زندگی اور اصول وآداب کی مثالی رعایت'' پیش نظر ہے، میں نے اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو مجھے کتاب بہت ہی مفید نظر آئی، اگر مدارس اسلامیہ کے طلبہ اس کو اپنا رہ نما بنائیں اور کتاب نیز مذکورہ آداب کا لحاظ کرکے علم حاصل کریں تو ان کے علم میں چار چاند لگ جائیں گے علم میں برکت بھی ہوگی، اور ان کا فیض عام وتام ہوگا، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمائیں اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں (آمین)

کتبہٗ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دارالعلوم دیوبند

۳۰؍محرم ۱۴۲۷ھ

تقریظ

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

چشتی، صابری، نقشبندی، مجددی، قادری، سہروردی

باسمہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً!

مکرم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی پالن پوری کی تصنیف لطیف ''اسلاف کی طالبعلمانہ زندگی اور اصول وآداب کی مثالی رعایت'' عدیم الفرصت کی بناء پر مطالعہ تو نہ کرسکا مگر اس کی تفصیلی فہرست کو بغور پڑھا، جو ماشاء اللہ طلبہ وعلماء کے لئے نہایت مفید بصیرت افروز ونصیحت آموز معلوم ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

اس حقیر نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب مسمّی بہ ''وصیۃ الآداب'' لکھی ہے جس میں حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے سنے وسمجھے ہوئے بہت سے ہدایات وارشادات درج کئے ہیں، جس کو علماء ومشائخ خصوصاً حضرت محی السنۃ مولانا ابرار الحق صاحبؒ اور محدث حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری زید مجدہٗ نے بہت پسندیدگی کا اظہار فرمایا، بلکہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے دورۂ حدیث کے طلبہ کو اس کتاب کے مطالعہ کی طرف ترغیب دلائی۔

اسی طرح یہ حقیر اس کتاب کے دیکھنے کے بعد تمام طلبۂ کرام کو ترغیب دیتا ہے کہ اس کا ضرور مطالعہ کریں، بلکہ اس کو حرزِ جان بنائیں تاکہ علم کا صحیح نفع حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی سے سرفرازی نصیب ہو۔

وماذٰلک علی اللہ بعزیز

والسلام

محمد قمر الزماں الہ آبادی

۱۶ر صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

پیش لفظ

خادم قرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ تعالیٰ
(رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم۔ اکل کوا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ .

امابعد!

اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات کا نظام صحیح رخ پر چلانے کے لئے اپنے بندوں کو اپنا ہی ایک عالم گیر دستور دیا ہے جو معصوم بندوں یعنی انبیائے کرام کے واسطے سے خدا کے بندوں تک پہنچتا رہا ہے، سب سے اخیر میں آقائے دوجہاں، فخر کون ومکاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لاکر قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا عالمی منشور قرآن کریم کو ابدی شکل میں بندگان خدا کو پڑھ پڑھ کر اور عمل کر کر کے صحابہ کرامؓ جیسی ایک لاکھ سے زائد کی تعداد کو معیار بنا کر دستور حیات کو مکمل فرما دیا۔ اگر بہ غور دیکھا جائے تو تمام انبیاء ورسل کی دعوت کا خلاصہ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا خلاصہ بالخصوص دو چیزیں نکلتی ہیں، ایک تعلیم دوسرے تربیت۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف صفہ میں صحابہ کرام کی ایک مخصوص جماعت کو مقدس دین اور تعلیم الٰہی دے کر سنوارنے میں مصروف عمل نظر آتے ہیں تو دوسری طرف راتوں میں اُٹھ کر محلوں میں گشت کر کے ان کی دینی تربیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

دن میں مسجد نبوی میں آپ آیات قرآنیہ کی تلاوت فرماتے ہیں تو رات میں صحابہ کرام کے گھروں کا گشت لگا کر تلاوتِ قرآن پر عمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

دن میں ممبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال وحرام کا درس ہوتا ہے تو رات میں صحابہؓ کرام کا خود بہ نفس نفیس جائزہ لیا جاتا ہے۔

چنانچہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی سے رات کو صحابہ کرام کے محلوں میں گشت کے لئے نکلے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس گزر ہوا تو تلاوت کی آواز آرہی تھی، لیکن اتنی دھیمی آواز تھی کہ آپ نے دیوار سے کان لگا کر بہ غور سنا تب صاف آواز آئی۔ آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان سے گزر ہوا، حضرت عمر فاروقؓ بھی قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف تھے، لیکن آپ اتنی بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے کہ پورا محلہ گونج رہا تھا۔

صبح نماز کے بعد صحابہؓ کرام کے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ سے دریافت فرمایا کہ رات میں تمہارے مکان سے گزرا تو تم قرآن کی تلاوت کررہے تھے لیکن آواز بڑی مدھم تھی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو خدا کو سنا رہا تھا جو ہر ڈھکی چھپی، آہستہ اور تیز آواز کو سنتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا: عمر! میں تمہارے مکان کے پاس سے بھی گزرا لیکن تم بڑی بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے؟ حضرت عمر بن خطابؓ نے جواب دیا: میں شیطان کو بھگا رہا تھا اور سونے والوں کو جگا رہا تھا۔

اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکرؓ! تم اپنی آواز اور بلند کرو اور حضرت عمرؓ کو ارشاد ہوا کہ عمرؓ! تم اپنی آواز اور پست کرو۔

ظاہر ہے کہ پست آواز سے پڑھنا بھی مباح تھا اور بلند آواز سے پڑھنا بھی مباح۔ لیکن یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت تھی جو آپ تعلیم کے بعد خاص طور پر فرمایا کرتے تھے۔

تعلیم کے بعد تربیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام بھی اپنے اپنے دور خلافت اور اپنے اپنے زمانے میں راتوں کو گشت لگاتے اور امت کی تربیت

فرماتے۔ بعد کے زمانوں میں تابعین، تبع تابعین نے یہ کام باحسن وجوہ انجام دیا پھر مدارس و جامعات کی شکل میں تعلیم و تربیت کا کام انجام پذیر ہونے لگا۔

ماضی قریب میں ہمارے اسلاف حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا محمد الیاس صاحبؒ، مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور دیگر اکابر و اسلاف نے تعلیم و تربیت کا کام ایسی خوبی سے انجام دیا کہ دنیا کی تاریخ میں ایک نمایاں باب بن کر چمکے۔

آج بھی مدارس و جامعات میں یہی تعلیم و تربیت کا کام اچھی طرح انجام دیا جارہا ہے۔ اسلاف عظام کی بہ نسبت آج ظاہر ہے کہ اضمحلال، سستی، کاہلی اور غفلت شعاری کا تسلط بہت زیادہ ہے لیکن ناامیدی کے بجائے اس کے خلاف کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنے اسلاف کی قربانیاں، ان کا طریقۂ تعلیم و تربیت ہمارے طلبہ و اساتذہ کے سامنے آئے تو ایک نئے جوش اور نئے ولولے کے ساتھ تعلیم و تربیت کی خدمت میں مصروف عمل ہوجائیں۔

زیر نظر کتاب ہمارے محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی کاوسی مدظلہ نے بڑی عرق ریزی سے ترتیب دی ہے۔ مولانا کی کتاب پوری دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ تعلیم و تربیت میں جلا بخشنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے مولانا نے اس کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے، جس میں مولانا بے حد کامیاب ہیں۔

مولانا کی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا Incyclopedia کا درجہ رکھتی ہے طلبہ و اساتذہ دونوں کو یکساں استفادہ کرنا چاہئے۔ اس کتاب میں مؤلف نے ''قرون اولیٰ میں علمی شوق وولولہ'' چوتھی صدی کے وسط تک تعلیم و تعلم

کا طرز، اسلام میں موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء، علم کی سچی طلب میں ہمارے اسلاف کا نمایاں کردار، وقت کی قدر و اہمیت اور اسلاف کا حفظ اوقات، علمی محنت وجد وجہد، اسباق کی پابندی کے حوالے سے ہمارے اسلاف عظامؒ کے واقعات، مطالعہ کے فوائد، یکسوئی کی ضرورت، استاذ کا ادب واحترام، ان کی خدمت اور ان سے حد درجہ لگاؤ، آلات علم کا ادب، علم وعمل میں مطابقت، تواضع، تزکیہ باطن، صحبت شیخ کی ضرورت، تبلیغ کے اصول، اتباع سنت، استغنا، سب سے اخیر میں دعاؤوں کا اہتمام اور اسی طرح کی بہت ساری باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جس سے بجا طور پر یہ مشورہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک نرالی کتاب ہے۔ طلبہ واساتذہ کی مجلسوں میں اس کی تعلیم ہونی چاہئے، اس کے مشمولات دامے، درمے، قدمے، سخنے عام کرنا دینی واخلاقی فریضہ سمجھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کے لئے یہ کتاب ذخیرہ آخرت بنادے، اس کتاب سے لوگوں کو خوب خوب فائدہ پہنچائیں اور مؤلف کا قلم کبھی تعب وتھکن سے آشنا نہ ہو۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

والسلام

غلام محمد وستانوی

۱۷ر صفر ۱۴۲۷ھ سنیچر بعد نماز مغرب متصلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ انسان بنیادی طور پر دو ایسی ضروریات کا محتاج ہے جن سے وہ ایک لحہ کے لئے بھی صرف نظر نہیں کرسکتا، ایک طرف وہ دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانے اور مادی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ان اسباب ووسائل کا محتاج ہے جس کے بغیر اس کے جسم وروح کا رشتہ صحیح طور پر استوار نہیں ہوسکتا دوسری طرف وہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے اور ہمیشہ قائم ودائم رہنے والی اخروی زندگی کو سنوارنے کے لئے اور دنیا میں معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی زندگی کو بروئے کار لانے کے لئے ہدایت ورہنمائی کا محتاج ہے،

خداوند ذوالجلال کی ربوبیت عامہ اس کی متقاضی ہے کہ وہ انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرے، چنانچہ پہلی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس نے آسمان وزمین میں وسائل معیشت کے لامتناہی خزانے ودیعت کردیے اور پوری کائنات کو انسان کے لئے مسخر کردیا، جس سے وہ منتفع ہوتا رہتا ہے اور اپنی اپنی بساط کے مطابق ہر انسان اپنی معاشی ضروریات اور مادی تقاضوں کو بحسن وخوبی پورا کرتا ہے۔

انسان کی دوسری بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس نے اپنے مقدس اور برگزیدہ بندوں (انبیاء علیہم السلام) کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ وہ انسانوں کو انسانیت کے حقیقی مقاصد سے آگاہ کریں، انہیں تمدنی، اجتماعی اور اخلاقی زندگی کے صحیح آداب واصول کی تعلیم دیں، جن پر عمل پیرا ہو کر انسان زندگی کا صحیح

لطف اٹھا سکے اور اپنے رب حقیقی کی معرفت تک اس کی رسائی ہو سکے،

سب سے آخر میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے تیئس ر۲۳ سالہ دورِ نبوت میں انفرادی اور اجتماعی محنت سے ایک معتد بہ مجمع تیار کیا جو سرتا پا دین اور علم وعمل کا مجسمہ تھا، چونکہ آپؐ آخری نبی تھے، آپؐ پر نبوت کا دروازہ بند ہوگیا، اس لئے اب نبوت کی تمام تر ذمہ داریاں اور قیامت تک اسلام کی نشر واشاعت، امت کی فلاح وبہبودی اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو جادۂ مستقیم پر گامزن کرنا اور ہر دور میں اٹھنے والے فتنوں اور طاغوتی طاقتوں کی سرکوبی اور ہر طرح کی علمی، عملی، جانی، مالی قوتوں سے ان کا مقابلہ، احقاق حق اور ابطال باطل یہ تمام ذمہ داریاں وارثین انبیاء حضرات علماء کے سروں پر رکھی گئیں۔

چنانچہ حضرات صحابۂ کرامؓ نے جو آپؐ کے اولین وارث تھے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کیا، ان کے بعد تابعین تبع تابعین پھر ان کے بعد عہد بہ عہد ہر دور میں علماء کرام نے اپنی ذمہ داریوں کو کامل طریقہ پر پورا کیا۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ ملت اسلامیہ کو جس موڑ پر جیسے رجال کار کی ضرورت پڑی اس موڑ پر علماء ربانیین سرگرم عمل رہے اور پوری جدوجہد کے ساتھ طاغوتی اور صیہونی فتنوں کی سرکوبی کی اور امت مسلمہ کی زمام قیادت کو بحسن وخوبی سنبھالا اور ملت اسلامیہ کی دکھتی نبض پر اپنا ہاتھ رکھا۔

مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کا قیام بھی دراصل انہی اکابر واسلاف کی جانکاہ کوششوں کا ثمرہ ہے، جن کا مقصد اسلام کی حفاظت، اس کی نشر واشاعت اور ایسے رجال کار کو پیدا کرنا جو ملت اسلامیہ پر آنے والے حالات اور داخلی وخارجی خطرات کا دفاع کرسکیں، اسلام دشمن طاقتوں اور فتنوں کا سدباب کرسکیں اور امت مرحومہ کی زمام قیادت سنبھال سکیں اور یہ بات اس کے بغیر دشوار تھی، انہوں نے

اپنی خداداد نورِ بصیرت اور اپنے تصرف باطنی سے تاڑ لیا تھا کہ انہی مدارس کے ذریعہ مسلمانوں کے قلب ودماغ کی تیرگی دور کی جاسکتی ہے اور اسلام کی شعائیں پھیلائی جاسکتی ہیں، اس کے ذریعہ علم وعرفان کی شمعیں روشن ہوسکتی ہیں اور مردہ رگوں میں نور ایمانی گردش کرسکتا ہے، اسی کے ذریعہ اپنی شعور کی بیداری اور سنت نبوی کا احیاء ہوسکتا ہے اور ضلالت وگمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھٹ سکتے ہیں، اور شرک وبدعات کا خاتمہ ہوسکتا ہے اور اسی سے ابوبکر وعمر، علی وعثمان، طلحہ وزبیر معاذ وعبدالرحمٰن، خالد وطارق، الف ثانی وولی اللہ، امداد اللہ وقاسم، رشید وتھانوی کی روح پرور اور ایمان افروز زندگی کا نقشہ دنیا کے سامنے آسکتا ہے، اور دنیا کی کایا پلٹنے میں اکسیر ثابت ہوسکتا ہے،

چنانچہ ان کی بے لوث قربانیوں اور ان کے خلوص اور دینی ولولہ نے دنیائے اسلام میں غلغلہ پیدا کردیا، بجھی ہوئی ایمانی شمعیں روشن ہونے لگیں، سینوں میں عزائم پیدا ہونے لگے، توحید ورسالت کے امین ونگہبان پھر سربکف ہوکر دنیا میں نظر آنے لگے، ان کی علمی، دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں نے بیشمار خلق خدا کو کفروشرک اور بدعات کی تاریکیوں سے نور ایمانی کے دائرے میں داخل کردیا اور ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے جو تاریخ میں سنہری نقوش سے ثبت ہیں۔

لیکن افسوس زمانہ جوں جوں بڑھتا جارہا ہے حقیقت نکلتی جارہی ہے، مدارس سے نکلنے والے اور سند فراغت حاصل کرنے والے فضلاء کرام کی اکثریت ایسی ہوتی ہیں جن میں کسی طرح کا شعور نہیں ہوتا، نہ ان میں وہ علمی قابلیت ہوتی ہے جس سے وہ امت کی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور نہ ہی عملی پہلو اور اخلاقی زندگی اس پایہ کی ہوتی ہے جو خود انہیں سنبھال سکے، سالہا سال وہ علمی اور دینی ماحول میں، قال اللہ اور قال الرسول کی فضا میں گذارنے کے بعد بھی بالکل تہی دامن ہوتے ہیں اور فارغ ہونے والوں کی تعداد آج اتنی ہے جتنی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی اور حال یہ

ہے کہنے والے نے بالکل صحیح منظرکشی کی ہے۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک

نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

بہت دنوں سے میری خواہش تھی کہ ہمارے اکابرواسلاف کی طالبعلمانہ زندگی کی روشنی میں طالبعلمی کے کچھ اصول وآداب اور کچھ وہ بنیادی امور جوان کی زندگی میں نمایاں تھے مختصر طور پر بیان کروں جو طلبہ کے لئے رہنما ثابت ہوں اور مدارس دینیہ میں علوم نبوت حاصل کرنے والے پروانے ان اصول وآداب پر عمل پیرا ہوکر اپنی طالبعلمی کی زندگی کو کامیاب بناسکیں اور اپنی مخفی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔

مگر ایک طرف اپنی علمی کم مائیگی اور تہی دامنی کی وجہ سے ہمت پست ہورہی تھی، کیونکہ تصنیف وتالیف کا کام ہے ہی کچھ ایسا جس کی نزاکتیں واقفین سے مخفی نہیں، لیکن ساتھ ہی مخلص احباب کے اصرار نے اور میرے محسن ومشفق حضرات اساتذۂ کرام بالخصوص حضرت مولانا عبدالقادر صاحب پٹنی ثم ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب زید مجدہٗ مہتمم مدرسہ جامعہ نذیریہ کاکوسی (پالن پور) کے ہمت افزا کلمات نے بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی اور اس خدائے برتر کے نام سے جو ذرہ سے پہاڑ کا کام لے سکتا ہے باوجود تدریسی مشاغل کے تدریجی طور پر کام شروع کردیا، الحمدللہ بحسن وخوبی کام شروع تو ہوگیا اور تقریباً دوثلث مسودہ تیار بھی ہوگیا مگر اس کے بعد "الامر مرھون بالقدر" کے تحت کچھ عوارض کے سبب مسودہ یونہی پڑا رہا اور ایک عرصہ تک تکمیل کے مراحل نہیں طے کرسکا، اس کے بعد پھر توفیق ایزدی شامل حال ہوئی اور مسودہ پر نظر ثانی کی گئی اور بقیہ حصہ قریب قریب پورا ہوا، پھر اس پر ایک وقفہ اور گذرا اسکے بعد تیسرے مرحلہ میں پہنچ کر کام بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہوا اور یہ چند اوراق تیار ہوئے اور طباعت کے مرحلہ میں پہنچے تو

اس وقت آپکے ہاتھوں میں ہے۔

ارباب علم ، ذمہ داران مدارس اور اساتذہ کی خدمت میں نہایت ہی مؤدبانہ گذارش ہے کہ طلبہ کو اس کے مطالعہ کی خوب ترغیب دی جائے اور شوق دلایا جائے ، بلکہ اگر ممکن ہو تو طلبہ میں اجتماعی طور پر روزمرہ اس قسم کی کتابوں کی تعلیم کا نظم کیا جائے ، تاکہ طلبہ میں بیداری پیدا ہو اور علم دین کو صحیح نیت اور صحیح محنت سے حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس رسالہ کو شرف قبولیت سے نواز کر اس کا نفع عام وتام فرمائے اور مدارس سے ایسے ہونہار اور جامع الکمالات رجال کے پیدا ہونے کا ذریعہ فرمائے جو صحیح معنوں میں امت کا درد لے کر ان کی علمی ، اخلاقی اور روحانی تربیت کا فریضہ انجام دے سکیں اور نبوی میراث کا کماحقہ حق ادا کرسکیں ، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

حفظ الرحمٰن عفی عنہ قاسمی کاکوسی

۲۱ رشوال المکرّم ۱۴۱۶ھ

علم کی حقیقت

علم کی حقیقت کے سلسلہ میں ایک عام غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ عام طور پر کتابوں کے الفاظ ونقوش کو علم سمجھا جاتا ہے اور عموماً اسی کو علم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اسی لئے جس کو الفاظ ونقوش زیادہ یاد ہوتے ہیں اس کا علم زیادہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس کا نام معلومات ہے، علم اور چیز ہے، معلومات اور چیز ہے، یہ ظاہری الفاظ ونقوش علم نہیں ہے بلکہ اظہار علم کے آلات ہیں۔ جن کے ذریعہ سے علم کی تعبیر کی جاتی ہے، علم درحقیقت ایک معنوی چیز ہے جس کو الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ علم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ الرِّوَایَۃِ اِنَّمَا الْعِلْمُ نُوْرٌ یُقْذَفُ فِی الْقَلْبِ" کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو قلب میں ڈالا جاتا ہے۔ (احیاء العلوم)

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا "لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ الرِّوَایَۃِ وَلَا بِکَثْرَۃِ الْمَقَالِ وَلٰکِنَّہٗ نُوْرٌ یُقْذَفُ فِی الْقَلْبِ یَفْھَمُ بِہِ الْعَبْدُ الْحَقَّ وَیُمَیِّزُ بِہٖ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْبَاطِلِ" کثرتِ روایت اور قیل وقال کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے، جس کے ذریعہ بندہ حق کو سمجھ سکتا ہے اور حق وباطل میں امتیاز کرسکتا ہے۔ (فضل علم السلف)

اسی نور کی نسبت قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ٥ اور اسی کو روح بھی فرمایا گیا "وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ" اور اسی کے متعلق دوسری جگہ فرمایا "وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ" ہم نے علم کو ایک نور بنایا ہے، جس کے ذریعہ آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں، بس حقیقت میں اسی نور کا نام علم ہے۔

امام شافعیؒ کے مشہور اشعار ہیں۔

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِی ☆ فَاَوْصَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِی
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهِی ☆ وَنُوْرُاللّٰهِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِی

ترجمہ: میں نے اپنے استاد امام وکیع سے سوء حافظہ کی شکایت کی، تو انہوں نے گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ علم نورالٰہی ہے اور یہ نور نافرمان کو عطا نہیں ہوتا، .... معلوم ہوا کہ علم نورالٰہی کا نام ہے جو گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا، اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہوجاتا ہے بلکہ کفر کے ساتھ بھی۔ (العلم والعلماء)

علم حقیقی اوراس کی علامات

علم حقیقی ورسمی کی علامات بیان کرتے ہوئے علامہ رومیؒ فرماتے ہیں۔

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت ☆ زنگ گمراہی زدل بزدایدت
ایں ہوس را از سرت بروں کند ☆ خوف وخشیت دردولت افزوں کند

یعنی حقیقی علم وہ ہے جو تم کو سیدھی راہ دکھادے اور گمراہی کے زنگ کو تمہارے دل سے صاف کردے، یہ ہوائے نفسانی کو تمہارے اندر سے دور کردے اور خوف وخشیت تمہارے دل میں پیدا کردے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَالِکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَالِکَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلٰی اِبْنِ آدَمَ رواہُ الدارمی (مشکوٰۃ)

علم دوطرح کا ہے، ایک علم دل میں ہوتا ہے، یہی نفع بخش علم ہے اور دوسرا علم زبان پر ہے جو اللہ کی طرف سے انسان پر حجت ہے۔

معلوم ہوا کہ حقیقی اور نافع علم وہ ہے جس سے اوّلاً قلب متاثر ہوتا ہے پھر

اس کا اثر اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوتا ہے اور رسمی اور غیر نافع علم وہ ہے جو محض زبان تک محدود رہتا ہے، اس کا اللہ کے نزدیک کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

حقیقی علم کا نور جب دل میں پیدا ہوتا ہے تو اس کی روشنی میں چیزوں کی حقیقت اس طرح آشکارا ہوتی ہے جیسے سورج کی روشنی کے سامنے سیاہ وسفید، علم کا یہ نور جب دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے، اس نور کے دل میں داخل ہونے کی علامت کو صاحب موافقات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وَلٰكِنْ عَلَيْهِ عَلَامَةٌ ظَاهِرَةٌ وَهُوَ التَّجَافِي. عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْإِنَابَةُ اَلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ.	علم نافع حاصل ہونے کی ایک کھلی علامت یہ ہے کہ آدمی کو دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف توجہ ہونے لگتی ہے،

جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب علم نافع کا حصول ہو رہا ہے۔

علم نافع کی دوسری علامت یہ ہے کہ جس کو حقیقی علم حاصل ہوتا ہے اس کے علم و عمل اور قال و حال میں مطابقت ہوتی ہے، اسلئے کہ حقیقی عالم بے عمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ علم صحیح بلا عمل قائم رہ سکتا ہے، علم صحیح اپنے حامل کو مقتضائے علم پر عمل کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ (ترجمان السنۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَمَنْ يُّرِدُ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" کی تلاوت فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں، تو پوچھا گیا سینہ کو کھولنا کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ النُّوْرَ اِذَا قُذِفَ فِي الْقَلْبِ انْشَرَحَ لَهُ الصَّدْرُ وَانْفَسَحَ" علم کا نور جب دل میں ڈالا جاتا ہے تو سینہ اسکے لئے کھل جاتا ہے، سوال کیا گیا اس کی کوئی علامت ہے؟ آپؐ نے فرمایا

نَعَمْ التَّجَافِی عَنْ	ہاں! دنیا سے دوری، آخرت کی
دَارِالْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰی	طرف رجوع اور موت سے
دَارِالْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ	پہلے موت کی تیاری
لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ	(احیاء)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں جن کو حقیقی علم کی دولت سے نوازا جاتا ہے ان میں پانچ طرح کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں خوف وخشیت، خشوع، تواضع، حسن خلق اور زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی۔

علم رسمی اور اس کی علامات

علم رسمی کی علامات بتاتے ہوئے علامہ رومیؒ فرماتے ہیں ۔

علم رسمی سربسر قیل است وقال ☆ نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

یعنی علم رسمی محض قیل وقال کا نام ہے کہ نہ تو اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نہ اس سے مذکورہ بالا صفات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا علم چاہے کتنا ہی حاصل ہو جائے اس سے کوئی فائدہ نہیں، یہ علم غیر نافع ہے جو انسان کے لئے وبال جان اور بڑی گمراہی وبربادی کا ذریعہ ہے، اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس علم سے پناہ مانگی ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّایَنْفَع" ایسے ہی علم کے متعلق حدیث میں فرمایا "وَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَجَھْلًا" بعض علم جہالت ہے یعنی علم ہوتے ہوئے جہالت ہے، روشنی ہوتے ہوئے اندھیرا ہے، اسی علم کی نسبت سورۂ جاثیہ میں فرمایا گیا۔

اَفَرَئَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ	بھلا دیکھئے تو جس نے اپنی
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ	خواہشات کو اپنا خدا اور حاکم

عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (سورۂ جاثیہ)

ٹھہرالیا، علم رکھنے کے باوجود خدا نے اس کو راہ سے بھٹکا دیا اور اس کے کان ودل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اب اس کو خدا کے بعد کوئی ہدایت دے سکتا ہے؟ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

آیت بالا میں چند اہم فوائد بتائے گئے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ جس طرح بے علمی گمراہی کا سبب بنتی ہے اسی طرح کبھی علم بھی گمراہی کا سبب ہوجاتا ہے اور جو گمراہی علم کی راہ سے آتی ہے اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہوتا ہے، یہ گمراہی تاریکی کی گمراہی نہیں، بلکہ روشنی کی گمراہی ہوتی ہے۔ (ترجمان السنۃ)

انسانی شرافت وبرتری کا راز

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام کائنات میں افضل واشرف بنایا اور زمین میں اس کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا، انسان کی اس افضلیت اور تکریم کا باعث اور اسے دیگر ذی شعور مخلوقات سے ممتاز کرنے والا جوہر "علم" ہے اسی جوہر علم کی بناء پر انسان کو یہ اعزاز بخشا گیا، ورنہ دیگر اوصاف میں تو حیوانات بھی انسان کے شریک وسہیم ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں انسان علم ہی کی وجہ سے دوسرے حیوانات پر شرف رکھتا ہے نہ کہ قوت کی وجہ سے کہ قوت میں دوسرے جانور انسان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ موٹاپے کی وجہ سے کہ ہاتھی موٹاپے میں زیادہ ہے اور نہ بہادری کی وجہ سے کہ درندہ انسان سے زیادہ بہادر ہوتا ہے، اور نہ کھانے کی وجہ سے کہ کھانے میں بیل انسان سے بڑھ کر ہے اور نہ صحبت کی خواہش کی وجہ سے کہ چڑیا اس میں انسان سے آگے ہے، معلوم ہوا کہ صرف علم کی

وجہ سے انسان یہ شرف رکھتا ہے، اور یہ علم صرف انسان ہی کو بخشا گیا۔

دنیا میں چار ذی شعور مخلوقات ہیں، انسان، ملائکہ، جنات اور حیوانات ان میں انسان کے علاوہ کسی کو یہ علم عطا نہیں کیا گیا، اگر ان میں سے کسی کو کسی قدر نصیب ہوا تو انسان کے طفیل اور اس کے واسطے سے ہوا، اصل اس میں انسان ہی رہا۔

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کے مانند ہوتے کیونکہ تعلیم اور علم ہی کے ذریعہ حد بہیمیت سے نکل کر حد انسانیت کی طرف آتے ہیں۔

(تحفۃ المتعلمین)

چنانچہ اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں پر جو فضیلت عطا کی گئی حالانکہ طہر و تقدس، عصمت و عفاف اور عبادت و ریاضت کیسی محبوب صفتیں ہیں، کتنی مطلوب صفتیں ہیں، فرشتے ان صفتوں سے بدرجۂ اتم متصف ہیں، فرشتے اپنی جبلت ہی میں نیک ہیں، شر کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے، لیکن اس کے باوجود فرشتوں جیسی برگزیدہ مخلوق پر ایک ایسی مخلوق کو فضیلت حاصل ہوگئی جس کی فطرت خیر کے ساتھ شر سے بھی آشنا ہے اور حکم دیا گیا کہ اس ظلوم وجہول مخلوق کو۔ آدم کو۔ انسان کو۔ سجدہ کرو، تو اس فضیلت و اعزاز کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ آدم کو ایک ایسی خصوصیت بخشی گئی ہے جس سے فرشتے محروم ہیں، یہ خصوصیت تمام فضیلتوں پر بھاری اور آدم کو خلافت الٰہی کا حقدار بنانے والی ہے وہ خصوصیت کیا ہے؟ علم! وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هٰٓؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ٥ (جامع بیان العلم)

حضرت یوسفؑ کو جب بادشاہ مصر نے قید کیا اور کئی سال جیل میں رہے پھر یکا یک جو حالات پلٹے اور اس قدر آپ کا اعزاز و اکرام ہوا کہ شاہ مصر آپ کے

فضل وکمال کا معترف ہوا اور آپ کا معتقد ہوا، شاہی خزانے آپکے سپرد ہوئے،
آپ کو جیل خانہ سے نکال کر مسند شاہی پر بٹھایا گیا، گیارہ بھائی اور والدین نے
آپ کو تعظیمی سجدہ کیا...... غور کیجئے یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کونسی چیز اس کی محرک بنی؟
ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی علم کا ثمرہ اور نتیجہ تھا کہ حضرت یوسف علم ''تعبیر خواب''
سے واقف اور ماہر تھے اور بادشاہ کو اس کے خواب کی ایسی سچی اور دل لگتی تعبیر دی
کہ بادشاہ بھی آپ کے علم وفضل کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔

حضرت علیؓ نے اپنے ایک مشہور خطبے میں فرمایا کہ آدمی اپنے علم و ہنر سے
ہی آدمی ہے۔ آدمی کا رتبہ اتنا ہی ہے جتنا اس کا علم ہے۔ لہٰذا علم میں گفتگو کرو تا کہ
تمہارے رتبے ظاہر ہوں۔

زید بن اسلم سے آیت ''وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلٰى بَعْضٍ'' کی
تفسیر میں مروی ہے کہ انبیاء کے مرتبوں میں کمی وبیشی ان کے عِلم کے لحاظ سے ہے۔

علامہ ابن عبدالبر نے حضرت علی کے یہ اشعار نقل کئے ہیں ؂

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ التَّمْثِيْلِ اَكْفَاءُ ☆ اَبُوْهُمْ آدَمُ وَالْاُمُّ حَوَّاءُ
نَفْسٌ كَنَفْسٍ وَ اَرْوَاحٌ مَشَاكَلَةٌ ☆ وَاَعْظُمٌ خُلِقَتْ فِيْهِمْ وَ اَعْضَاءُ
مَاالْفَضْلُ اِلَّا لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهُمْ ☆ عَلَى الْهُدٰى لِمَنْ اسْتَهْدٰى اَدِلَّاءُ

صورت کے لحاظ سے تمام آدمی یکساں ہیں، باپ آدم اور ماں حواء ہیں، سب
میں ایک ہی قسم کی جان ہے، روحیں بھی مشابہ ہیں، سب میں ہڈیاں ہیں اور اعضاء
ہیں ہاں! فضیلت ہے تو صرف اہل علم کو ہے وہی طالبان ہدایت کے رہنما ہیں۔

علم کی عظمت اور اس کا مقام

اسلام نے دنیا میں قدم رکھتے ہی جو پہلا اعلان کیا وہ کیا تھا؟ ایک سے
زیادہ اعلان ہو سکتے تھے توحید کا اعلان، رسالت کا اعلان، عبادت الٰہی کا اعلان،
مکارم اخلاق کا اعلان، انسانی حقوق کا اعلان، مگر اسلام کے اولین اعلان میں اس

قسم کی کوئی بات نہ تھی، پھر اسلام کا اولین اعلان کیا تھا؟ محض علم کی برتری اور ضرورت کا اعلان تھا۔ اس لئے کہ اسلام کے پہلے اعلان کا پہلا لفظ جو دنیا نے سنا وہ ''اقراء'' تھا۔ (جامع بیان العلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت جن آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں ان میں بھی اسی علم وتعلیم کا ذکر ہے، چنانچہ فرمایا یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیٰاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اس میں تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تلاوت آیات قرآن یعنی قرآن پڑھ کر امت کو سنانا، دوسرے ان کو ظاہری وباطنی ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک کرنا، تیسرے کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔

سفیان ابن عینیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں نبوت سے افضل کوئی چیز کسی کو عطا نہیں کی گئی اور نبوت کے بعد علم وفقہ سے افضل کوئی چیز کسی کو عطا نہیں ہوئی (تذکرۃ السامع والمتکلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ بازار میں گئے، وہاں لوگوں کو اپنی تجارتوں میں اور خرید وفروخت میں مشغول پایا، تو فرمایا تم لوگ یہاں ایسی چیزوں میں مشغول ہو حالانکہ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، یہ سن کر لوگ جلدی سے مسجد میں پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ قرآن وذکر کے حلقے لگے ہوئے ہیں اور علمی مجلسیں قائم ہیں، تو انہوں نے کہا ابوہریرہ! میراث کہاں ہے؟ ابوہریرہؓ نے فرمایا یہی حضورؐ کی میراث ہے، جو آپکے ورثہ میں تقسیم ہو رہی ہے اور حضورؐ کی میراث تمہاری دنیوی میراث نہیں ہے، (ترغیب ترہیب)

کسی نے خوب کہا ہے ؎

اَلْعِلْمُ فِیْہِ حَیَاۃٌ لِلْقُلُوْبِ ☆ کَمَا تَحْیَا الْبِلَادُ اِذَا مَامَسَّھَا الْمَطَرُ

وَالْعِلْمُ یَجْلُو الْعَمٰی عَنْ قَلْبِ صَاحِبِہٖ ☆ کَمَا یُجْلِیْ سَوَادَ الظُّلْمَۃِ الْقَمَرُ

دلوں کے لئے علم اسی طرح زندگی ہے جس طرح مینہ سے زمین زندہ ہوجاتی ہے ، علم کوری کو دل سے اسی طرح زائل کردیتا ہے جس طرح چاند اندھیرے گھپ کو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم وحکمت عزت دار آدمی کو اور زیادہ عزت بخشتا ہے اور غلام کو بلند کرتے کرتے بادشاہوں کے تخت پر بٹھادیتا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ علم مال سے سات طریقوں سے افضل ہے ۱) علم میراث انبیاء ہے اور مال میراث فراعنہ ہے۔ ۲) علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔ ۳) مال محافظ کا محتاج ہے اور علم خود صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے ۔ ۴) آدمی کے مرنے کے بعد مال پیچھے رہ جاتا ہے اور علم قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے ۔ ۵) مال مومن وکافر دونوں کو ملتا ہے اور حقیقی علم صرف مومن ہی کو حاصل ہوتا ہے ۔ ۶) دین کے معاملات میں سبھی لوگ عالم کے محتاج ہیں اور مال والے کا ہر شخص محتاج نہیں ۔ ۷) علم آدمی کو پل صراط پر گذرنے میں قوت بخشے گا اور مال بوجھل بنادیگا۔

قوم عمالقہ سے جہاد کے لئے بنی اسرائیل کے اندر طالوت کو حکمراں اور بادشاہ بنایا گیا اور وجہ فضیلت اور سبب بادشاہت علم اور جسمانی قوت کو بیان کیا پس فرمایا۔ ''وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' علم کو جسمانی قوت سے پہلے ذکر کیا۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر سے کہا ۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ　　کہا کہ ملکی خزانے پر مجھے لگا

الْاَرْضِ اِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ — دیجیے کیونکہ میں حفاظت کروں
(یوسف پ ۱۳ آیت ۵۵) — گا اور میں جانکار ہوں۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا ''اِنِّی حَسِیْبٌ نَسِیْبٌ'' اِنِّی مَلِیْحٌ جَمِیْلٌ'' میں حسب نسب والا ہوں، میں صبیح و ملیح ہوں، بلکہ تذکرہ کیا تو اپنی علمی قابلیت کا۔

حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ سے ملک اور حکومت کو مانگا اور اس طرح درخواست کی

رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ — اے پروردگار! مجھے ایسی حکومت
لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ — دے کہ میرے بعد کسی کے
(پ ۲۳ آیت ۳۵) — شایان شان نہ ہو۔

چنانچہ بارگاہ قدوس میں یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو ایسی عظیم بادشاہت ملی کہ جناتوں دریاؤں، ہواؤں اور ہر قسم کے جانداروں پر حکومت کی، اس کے باوجود آپ نے اس حکومت پر فخر نہیں کیا بلکہ حکومت کے مقابلہ میں آپ نے علم کو بڑی نعمت سمجھا، پس فرمایا یَاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ'' اے لوگوں ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی اور ہم کو (سامان سلطنت سے متعلق) ہر چیز دی گئی۔

علم جامع العبادات ہے

حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم حاصل کرو کیونکہ لوجہ اللہ علم کی تعلیم خشیت ہے اور اس کی طلب عبادت ہے، اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس کی تلاش جہاد ہے، بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے، مستحقوں میں علم خرچ کرنا تقرب ہے، کیونکہ علم حلال وحرام کا نشان ہے، جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، تنہائی میں مونس ہے اور پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے اور راحت ومصیبت کا بتانے والا ہے، دشمن کے مقابلہ میں ہتھیار ہے،

دوستوں میں زینت ہے، علم کے ذریعہ خدا بعضوں کو اٹھاتا ہے اور نیکی کا ایسا امام وپیشوا بنادیتا ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے اور ان کے قول پر عمل کیا جاتا ہے، ملائکہ ان کی خدمت پر راغب ہوتے ہیں، اپنے پروں سے انہیں چھوتے ہیں، ان کی مغفرت کے لئے ہر خشک وتر چیز حتی کہ پانی کی مچھلیاں، زمین کے کیڑے مکوڑے، خشکی کے درند و چرند دعا کرتے ہیں، کیونکہ علم دلوں کے لئے زندگی ہے، جہالت کی موت ہے، آنکھوں کے لئے روشنی ہے تاریکی میں، علم ہی کے ذریعہ بندہ دنیاوآخرت میں اخیار کے مرتبے اور بلند درجے حاصل کرسکتا ہے، علم میں غوروفکر روزے کے برابر اور اس کی مشغولیت قیام کے ہم پلہ ہے، علم ہی سے رشتے جڑتے ہیں اور اسی سے حلال وحرام کی شناخت ہوتی ہے، علم عمل کا رہنما ہے، اور عمل اس کا پیرو ہے، خوش نصیبوں کو ہی علم کی توفیق میسر آتی ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ (ترغیب ترہیب)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ اَحْيَائِهَا'' یعنی تھوڑی دیر علم کا پڑھنا پڑھانا شب بیداری کرنے سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ)

طلباء اور اہل علم کی فضیلت

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر علم کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مختلف انداز سے علم کی اہمیت وافضلیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے حاصل کرنے پر انسانوں کو راغب کیا گیا ہے۔

سورۂ رحمٰن میں ارشاد باری ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ
(پ ۲۷ آیت ۱)

رحمٰن نے قرآن سکھلایا، آدمی کو پیدا کیا اس کو بولنا اور بات کرنا سکھلایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی بیشمار نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے، مگر سب سے پہلے علم قرآن کو بیان کیا، اس کے بعد انسانی تخلیق پر بحث کی ہے، جبکہ عقلی تقاضا یہ ہے کہ پہلے تخلیق کا ذکر ہو پھر علم کا، مگر علم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز اختیار کیا گیا اور صرف تخلیقِ انسانی سے پہلے ہی نہیں بلکہ کائنات کی تمام نعمتوں سے پہلے علم کو بیان کر کے یہ بتادیا کہ علم ہی ایک ایسی نعمت اور عطیہ خداوندی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نعمتوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

ایک جگہ فرمایا۔

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً (پ۵ آیت ۱۳)	اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ باتیں سکھلائیں جن کو آپ جانتے نہیں تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً کَثِیْراً	اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں علم وحکمت کی دولت عطا کرتے ہیں اور جسے یہ دولت مل گئی اسے خیر کثیر مل گئی۔

علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک اور جگہ فرمایا: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ ”پیارے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ نیز فرمایا:

یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ)	اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کرے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اہل علم کی تعظیم ثابت ہوتی ہے اور عام مومنین سے اہل علم ایمان والوں کو بذریعۂ عطف الگ بیان کرنا ''کَاَنَّھُمْ جِنْسٌ آخَر'' گویا کہ یہ دوسری جنس ہے، اس سے علماء کا عظیم الشان مقام واضح ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں مَاخَصَّ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْعُلَمَاءَ فِی شَیٍّٔ مِنَ الْقُرْآنِ مَاخَصَّھُمْ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کی جو خصوصیت بیان فرمائی ہے ایسی خصوصیت پورے قرآن میں نہیں بیان فرمائی۔

احادیث میں بھی بکثرت اہل علم کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

حضرت صفوان ابن عسال مرادیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپؐ اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کہا علم کی طلب میں آیا ہوں، آپؐ نے فرمایا ''مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ'' واہ واہ مرحبا۔ بلاشبہ فرشتے اپنے پروں سے طالبعلم کو گھیر لیتے ہیں، پھر ایک دوسرے پر اس طرح ہوتے جاتے ہیں کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، ان کے علم کی محبت کی وجہ سے۔ (ترغیب ترہیب)

حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول دانائے حال ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہیں۔ پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔ پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک جماعت کے آئے گا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائیں گے، پھر علماء کو علیحدہ کر کے ارشاد فرمائیں گے، اے علماء کی جماعت! میں نے اپنا علم تمہارے اندر اس

لئے نہیں رکھا تھا کہ میں تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تم سب کی مغفرت کر دی۔

(طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، دو جماعتیں دیکھی، ایک علم کے سیکھنے سکھانے میں مشغول تھی اور دوسری ذکر ودعا میں مشغول تھی۔ آپؐ نے فرمایا دونوں بھلائی پر ہے۔ بہرحال یہ جماعت پس وہ اللہ کی یاد میں مشغول ہے اور یہ جماعت علم کو سیکھتی اور دوسروں کو سکھاتی ہے۔ یہی جماعت افضل ہے کیونکہ میرا مقصد بعثت بھی تعلیم ہی ہے۔ ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا'' پھر آپؐ اسی جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز'' خیال کرنے کی بات ہے کہ اہل علم کی اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ان لوگوں میں شمار کیا۔

گدایاں را ازین معنی خبر نیست ☆ کہ سلطان جہاں باما است امروز

درویش علم والوں کو اس کی خبر نہیں کہ دونوں جہاں کے بادشاہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ رونق افروز ہیں۔ (اخلاق العلماء)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تم صبح اس حال میں کرو کہ کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھو، یہ تمہارے لئے سو رکعت پڑھنے سے بہتر ہے اور تم صبح اس حال میں کرو کہ علم کا ایک باب سیکھ لو، خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو، یہ تمہارے لئے ایک ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں منتہائے مہاجرین کی جماعت میں تھا، ہم لوگوں کو ایک قاری قرآن سنا رہا تھا۔ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پوچھا تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا

یَارَسُوْلَ اللّٰہ اَنَّہٗ کَانَ قَارِیٌ ☆ یارسول اللہ! ہمارا ایک قاری

لَنَا يَقْرَأُ عَلَيْنَا فَكُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ. — قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم اللہ کا قرآن سن رہے تھے۔

آپؐ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے اس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد آپؐ ہمارے ساتھ بیٹھ گئے اور ہم کو جنت کی بشارت دی۔ (خیر القرون بحوالہ ابوداؤد)

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت! میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت! میرے جانشینوں پر خدا کی رحمت! صحابہ نے عرض کیا آپ کے جانشین کون ہیں؟ فرمایا جو میری سنت سے محبت رکھتے ہیں اور بندگان خدا کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ (جامع بیان العلم)

خلیفہ مامون کے دو فرزند فرانحوی سے تعلیم پاتے تھے، ایک بار فرا مجلس سے اٹھے تو دونوں شہزادے جوتیاں سیدھی کرنے کو دوڑتے، مگر دونوں کا ایک ساتھ پہنچنے پر جھگڑا ہو گیا کہ کون جوتیاں اٹھا کر لائے؟ یہاں تک کہ دونوں ایک ایک جوتی اٹھانے پر رضا مند ہو گئے تا کہ دونوں کو استاذ کی خدمت کا شرف ملے۔ مامون کو اس کی اطلاع ہوگئی تو اس نے فرا کو دربار میں بلایا اور پوچھا کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز اور مرتبے والا کون ہے؟ فرا نے کہا امیر المومنین سے زیادہ معزز کون ہوسکتا ہے، تو مامون نے کہا نہیں بلکہ وہ شخص جس کے مجلس سے اٹھنے پر اس کی جوتیاں سیدھی کرنے کو امیر المومنین کے لخت جگر بھی جھگڑا کریں۔

(اخلاق العلماء)

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا کہ علی! تیرے ذریعہ اللہ ایک آدمی کو بھی ہدایت بخش دے یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (منتخب احادیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے شاباش! تم

حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی ہو۔ تمہارے کپڑے پھٹے پرانے ہیں مگر دل تروتازہ ہے! تم علم کیلئے گھروں میں قید ہوئے ہوں، مگر تم ہی قوم کے مہکنے والے پھول ہوں۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ بندہ بعض مرتبہ گھر سے نکلتا ہے اور اس پر گناہوں کے پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں اور کسی مجلس میں علم کی بات سنتا ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہوکر توبہ کرلیتا ہے تو اپنے گھر کی طرف اس حال میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا علماء کی مجلس سے الگ مت رہو، اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز زمین پر علماء کی مجلس سے بہتر پیدا نہیں کی۔

حضرت معروف کرخیؒ امام ابویوسفؒ کے جنازے اور نماز میں شرکت نہ کرسکنے پر عمر بھر افسوس کرتے رہے، ان کے کثرت افسوس کو دیکھ کر کسی نے کہا ابویوسف تو بادشاہ کے ندیموں میں سے تھے، دنیا دار تھے، آپ ان پر اتنا افسوس کیوں فرماتے ہیں؟ تو فرمایا

رَئَیْتُ الْبَارِحَةَ کَاَنِّیْ دَخَلْتُ	میں نے کل رات خواب دیکھا
الْجَنَّةَ فَرَأَیْتُ قَصْرًا قُلْتُ	گویا میں جنت میں داخل ہوا
لِمَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا لِاَبِیْ یُوْسُفَ	پس میں نے ایک محل دیکھا تو
قُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ لِمَ اسْتَحَقَّ	میں نے پوچھا یہ کس کا ہے؟ بتایا
هٰذَا؟ قَالُوْا بِتَعْلِیْمِهِ النَّاسَ	امام یوسف کا، میں نے کہا
الْعِلْمَ وَصَبْرِهٖ عَلٰی اَذَاهُمْ.	سبحان اللہ! انہیں یہ کیسے ملا؟

(مفتاح السعادہ)

جواب ملا کہ لوگوں کو علم سکھلانے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کی وجہ سے،

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ یَطْلُبُ ☆ طالب علمی کی حالت میں جس کو

اَلْعِلْمَ لِيُحْيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ — موت آجائے اور اس طالب علم کا مقصد اسلام کو زندہ کرنا ہو تو

اس کے اور انبیاء کے درمیان ایک درجہ ہے، یعنی انبیاء کے مقام اور اس کے مقام میں ایک درجہ کا فصل ہے۔

علامہ شامی ابن عابدین لکھتے ہیں کہ جس شخص کی موت طالبعلمی کے زمانے میں ہو اسے شہادت کی موت نصیب ہوگی، اگر چہ علم کے ساتھ پورا انہاک نہ ہو، صرف کسی درجہ کا اشغال ہو کہ ایک دن میں صرف ایک ہی درس لیتا ہو تو وہ بھی اس فضیلت میں شامل ہے، پس فرمایا اِنْ کَانَ لَهٗ اِشْتِغَالٌ بِهٖ تَالِيْفًا اَوْتَدْرِيْسًا اَوْحُضُوْرًا فِيْمَا يَظْهَرُ وَلَوْكُلَّ يَوْمٍ دَرْسًا وَلَيْسَ الْمُرَادُ الْاِنْهِمَاكُ (شامی) علم کے ساتھ اشغال کا مفہوم یہ ہے کہ خواہ تالیف کا سلسلہ ہو یا تدریس کا یا صرف کسی درس میں شامل ہوتا ہو اگر چہ دن بھر میں ایک ہی درس ہو یعنی انہماک مراد نہیں۔ (کشکول معرفت)

قرون اولیٰ میں

علمی شوق وولولہ اور تحصیل علم کا طریق کار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں صحابہ کا اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا عمومی مزاج تحصیل علم دین کا تھا، یہ حضرات چاہے شہری ہوں یا دیہاتی، زراعت پیشہ ہوں یا تجارت پیشہ امیر ہوں یا غریب، مرد ہوں یا عورت باوجود اپنے دن بھر کے کاروباری وغیرہ مشاغل کے تحصیل علم کو نماز کی طرح فرض و ضروری سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک دین کی ضرورت کا احساس اور سیکھنے سکھانے کا فکر ہر چیز سے مقدم تھا، یہی وجہ ہے کہ ان میں کوئی جاہل نہ تھا، ہر شخص اپنی جگہ پر عالم یا طالب علم تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں۔

كَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَرَّ الْاُمَّةِ قُلُوْبًا وَاَعْمَقَهَا عُلُوْماً وَاَقَلَّهَاتَكَلُّفاً	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل اور علم ان کا سب سے گہرا اور تکلف برائے نام نہیں

علمی ذوق وشوق اور طلب کا یہ حال تھا کہ ایک ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے عرب سے دمشق، مصر اور شام اور ان کے علاوہ دور دراز تک کے سفر کرتے تھے، صرف اسلئے کہ حدیث پاک کو اس شخص کی زبان سے سنے جس نے براہ راست حضورؐ سے سنی ہے، ایسے ایک دو نہیں ہزاروں سینکڑوں واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں، بخاری شریف میں ہے۔

رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ فِيْ حَدِيْثٍ وَاحِدٍ	حضرت جابر بن عبداللہ ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کا سفر کرکے عبداللہ بن انیس کے یہاں (ملک شام) گئے

اس سفر کی تفصیل خود حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک صحابی سے ایک حدیث سنی تو سواری کر کے ملک شام گیا اور عبداللہ بن انیس کے دروازہ پر جا کر کہلوایا کہ جابر دروازے پر کھڑا ہے، ملازم نے اندر سے پوچھا کون؟ جابر بن عبداللہ؟ میں نے کہا ہاں! اسنے عبداللہ بن انیس کو میرا نام بتایا تو وہ باہر آئے اور ہم دونون نے گرم جوشی سے سلام و معانقہ کیا، اس کے بعد میں نے کہا کہ آپ کے واسطے سے مجھے ایک روایت پہنچی ہے جس کو آپ نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور میں نے آپ سے نہیں سنا ہے، اس پر عبداللہ بن انیس نے مجھے وہ حدیث سنا دی۔ (جامع بیان العلم)

ابوسعید اعمی سے روایت ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری نے مدینہ سے مصر

کا سفر محض اس لئے اختیار کیا کہ حضرت عقبہ ابن عامر سے ایک حدیث سنے، چنانچہ پہنچے اور حضرت عقبہ نے استقبال کیا تو فرمانے لگے میں ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے والوں میں اب تمہارے سوا کوئی باقی نہیں، پس حضرت عقبہ نے وہ حدیث سنائی۔

حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں سفر کیا کرتا تھا،

جندب بن عبداللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ میں طلب علم میں مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں گیا تو دیکھا کہ لوگ حلقہ درحلقہ آپس میں حدیث بیان کر رہے ہیں، میں ان حلقوں سے گذرتا ہوا ایک حلقہ میں پہنچا۔ (خیر القرون کی درسگاہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ واللہ کتاب اللہ کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ کہاں اور کس معاملہ میں نازل ہوئی ہے، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے بڑا عالم ہے تو میں سواری کر کے اس کے پاس جاؤنگا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دھن مبارک سے ستّر سے زائد سورتیں حاصل کی ہیں، صحابہ کو معلوم ہے کہ میں ان لوگوں میں قرآن مجید کا سب سے بڑا عالم ہوں، اگر چہ میں ان میں اچھا نہیں ہوں، وَمَااَنَابِخَيْرِهِمْ۔ (بخاری)

بچوں میں علمی ذوق وشوق

درسگاہ نبوی میں مدینہ اور اطراف کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے علاوہ دور دراز مقامات اور مختلف قبائل کے طلبہ یعنی وفود کے ساتھ ان کے بچے بھی ضد کر کے بڑے شوق سے مدینہ آتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات سے قرآن اور دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان میں سے بعض اپنے بڑوں اور بزرگوں سے زیادہ علم حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لڑکا تھا، آپؐ کے اقوال واحادیث کو یاد کرتا تھا، مجلس نبوی میں مجھ سے زیادہ عمر والے لوگ ہوتے تھے اس لئے میں بات نہیں کرسکتا تھا،

(خیر القرون بحوالہ بخاری ومسلم)

حضرت جندب بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں:

كُنَّا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غِلْمَانًا حَزَاوِرَةً تَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ قَبْلَ اَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِيْمَانًا

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں طاقتور وتوانا لڑکے تھے، ہم نے قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن پڑھا جس کی وجہ سے ہمارا ایمان اور پختہ ہوگیا، (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میں کمسن (نوعمر) تھا، اپنے ایک ہم عمر انصاری لڑکے سے میں نے کہا چلو اصحاب رسول اللہؐ سے علم حاصل کریں، کیوں کہ ابھی وہ بڑی تعداد میں ہیں، انصاری نے جواب دیا ابن عباس! تم بھی عجیب آدمی ہو اتنے صحابہ کی وموجودگی میں لوگوں کو بھلا تمہاری کیا ضرورت پڑیگی، اس پر میں نے انصاری لڑکے کو چھوڑ دیا اور خود علم حاصل کرنے میں لگ گیا، بارہا ایسا ہوا کہ معلوم ہوتا کہ فلاں صحابی کے پاس حدیث ہے، میں ان کے گھر دوڑ جاتا، اگر وہ قیلولہ میں ہوتے تو میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ان کے دروازہ ہی پر پڑا رہتا، گرم ہوا میرے چہرے کو جھلساتی رہتی، جب وہ صحابی باہر آتے اور مجھے اس حال میں پاتے تو متاثر ہوکر کہتے رسول اللہ کے ابن عم! آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں کہتا سنا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فلاں حدیث روایت کرتے ہیں، اسی کی طلب میں حاضر ہوا ہوں،

وہ کہتے آپ نے کسی کو بھیج دیا ہوتا اور میں خود چلا آتا، میں جواب دیتا نہیں اس کام کے لئے مجھ ہی کو آنا چاہئے تھا، اس کے بعد یہ ہوا کہ جب اصحاب رسول اللہ ؐ گذر گئے تو وہی انصاری دیکھتا کہ لوگوں کو میری کیسی ضرورت ہے اور حسرت سے کہتا ابن عباس! تم مجھ سے زیادہ عقل مند تھے۔ (جامع بیان العلم)

بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ عمرو بن سلمہ نے بیان کیا کہ میں چھ سات سال کا تھا میرے والدین اور قبیلے کے لوگ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ہمارا گاؤں مدینہ طیبہ کے راستہ پر تھا، میں ہر روز راستہ پر آکر بیٹھ جاتا تھا اور مدینہ طیبہ سے آنے والے لوگوں سے پوچھ پوچھ کر قرآن مجید یاد کیا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد جب میرے قبیلے کے لوگ اسلام لائے اور میں بھی مسلمان ہوا تو وہ لوگ مجھ ہی کو نماز میں امام بناتے تھے، کیونکہ میں نے پہلے ہی سے راستہ پر گزرنے والوں سے قرآن مجید کا بہت سا حصہ یاد کرلیا تھا اور مجھ سے زیادہ کسی کو یاد نہ تھا۔ (انوار الباری)

نوجوانوں میں علمی ذوق وشوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بچوں کی طرح نوجوانون میں بھی علم کا بے پناہ شوق تھا، مقامی اور قرب و جوار کے طلبہ کے علاوہ دور دراز سے بھی لوگ وفود اور جماعتوں کی شکل میں حضور ؐ کی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے آتے تھے، ہر وقت، ہر آن، سفر میں، حضر میں، گھر پر، مسجد میں عام مجمع میں اور نجی مجلسوں میں حتیٰ کہ جہاد و غزوات میں بھی ان کا مشغلہ قرآن پڑھنے پڑھانے کا اور علم سیکھنے سکھانے کا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری ؓ کا بیان ہے،

كَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاقَعَدُوْا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے

يَتَحَدَّثُوْنَ كَانَ حَدِيْثُهُمُ الْفِقْهُ اِلَّا اَنْ يَّامُرُوْا رَجُلًا فَيَقْرَءُ عَلَيْهِمْ سُوْرَةً اَوْيَقْرَاُ رَجُلٌ سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآن	تھے تو ان کی گفتگو تفقہ فی الدین ہوتی تھی (دین کو سمجھنے سمجھانے کی ہوتی تھی) الا یہ کہ کسی آدمی کو حکم دیتے وہ انکے سامنے کوئی سورت پڑھتا، یا اپنے طور پر کوئی آدمی قرآن کی کوئی سورت پڑھتا تھا،

حضرت معاذ بن جبل کا آخری وقت تھا، کنیز سے فرمانے لگے کیا صبح ہوگئی؟ اس نے کہا ابھی نہیں، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اب دیکھ، اس نے کہا جی ہاں! صبح ہوگئی ہے، یہ سن کر فرمانے لگے ایسی صبح سے پناہ مانگتا ہوں جو دوزخ کی طرف لے جانے والی ہو، پھر کہنے لگے مرحبا اے موت! ایسے مہمان مرحبا! جو فاقے کے گھر میں آیا ہے، خدایا! تو خوب جانتا ہے معاذ دنیا میں رہنے کا اسلئے کبھی مشتاق نہ تھا، کہ نہریں لگائے، باغ لگائے، وہ تو بس اسلئے زندہ تھا کہ لمبی راتیں مشقت میں کاٹے، دن کی سخت گرمی میں حلق میں کانٹے ڈالنے والی پیاس برداشت کرے اور علمی حلقوں میں علماء کے ہجوم میں رہا کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ کی شفاعت کا قیامت کے دن کون زیادہ حقدار ہوگا؟ تو حضورؐ نے فرمایا ابوہریرہ! تمہارے حدیث پر حرص اور ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے مجھے یہی گمان تھا کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا، پھر جواب دیا کہ قیامت کے روز میری شفاعت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو دل کے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے۔ (بخاری)

بڑوں، بوڑھوں میں علمی ذوق وشوق

درسگاہ نبوی میں بوڑھے اور سن رسیدہ طلبہ بھی علم حاصل کرتے تھے اور علم کا بے انتہا شوق رکھتے تھے، عام طلبہ اس درسگاہ کے ایسے ہی تھے، جنہوں نے بڑی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم سیکھا تھا، امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے ''وَقَدْ

تَعَلَّمَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ كِبَرِ سِنِّهِمْ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بڑی عمر میں علم سیکھا ہے، (بخاری)

ان میں انتہائی عمر دراز بھی ہوتے تھے جن کے قوی جواب دے چکے ہوتے تھے، ایسے سن رسیدہ اور بوڑھے حضرات مجلس نبوی میں اپنی معذوری اور مجبوری بیان کر کے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بوڑھاپے کا لحاظ فرماتے ہوئے ان کے مناسب حال تعلیم دیتے تھے۔

وفد بکاء میں حضرت معاویہ بن ثور سو سال کے تھے اور اپنے بچے بشر کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور خیر و برکت لیکر واپس ہوئے۔

قبیصہ بن مخارق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے آنے کا سبب دریافت کیا تو میں نے کہا۔

کَبُرَ سِنِّي وَرَقَّ عَظْمِيَ فَاَتَيْتُكَ لِتُعَلِّمَنِي مَا يَنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهٖ	میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، ہڈی کمزور ہو چکی ہے، میں اس حال میں آپؐ کے پاس آیا ہوں تاکہ

مجھے ایسی بات بتادیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھ کو نفع دے، آپؐ نے فرمایا اے قبیصہ! اگر تم صبح کو تین بار "سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ" کہو گے تو تم جس حجر، شجر اور مدر کے پاس سے گزرو گے سب تمہارے لئے استغفار کریں گے اور تم اندھے پن، جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے، نیز تم یہ دعا پڑھتے رہو، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ وَاَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَتِكَ" (خیر القرون بحوالہ جمع الفوائد)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا یا

رسول اللہ! مجھے پڑھایئے، آپؐ نے کہا تم ذوات الراء کی تین سورتیں پڑھ لو، اس نے کہا کہ

كَبُرَ سِنِّي وَاشْتَدَّ قَلْبِيْ وَغَلُظَ لِسَانِيْ	میری عمر زیادہ ہوچکی ہے، دل سخت ہوگیا ہے اور زبان موٹی ہوگئی ہے،

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا اچھا تم ذوات حم کی تین سورتیں پڑھ لو، اس نے اسپر بھی وہی جواب دیا تو آپؐ نے کہا تم ذات السبحات کی تین سورتیں پڑھ لو، اس نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا، اَقْرِأْنِي سُوْرَةً جَامِعَةً، آپ مجھے ایک جامع سورت پڑھا دیں، اس پر آپؐ نے اس کو سورۃ اذازلزلت پڑھائی، اس کو پڑھ کر اسنے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جسنے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھونگا، اسکی یہ بات سنکر آپؐ نے دومرتبہ فرمایا "اَفْلَحَ الرَّجُلُ" یہ آدمی بامراد ہوگیا، (ایضاً)

عورتوں میں علمی ذوق وشوق

عہد نبوی میں علمی ذوق رکھنے میں عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش تھیں، صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں نے کہا آپؐ کی تعلیم وتربیت کے بارے میں مرد ہم پر غالب ہیں، اسلئے آپ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لئے مقرر کردیں، آپؐ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا، جس میں آپؐ ان کو وعظ اور احکام سناتے تھے، (بخاری ۱/۲)

بخاری شریف میں حضرت عائشہ کا قول نقل کیا گیا ہے جو انصار کی عورتوں میں بے پناہ علمی جذبہ کی غمازی کرتا ہے، فرماتی ہیں نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِي الدِّيْنِ " انصار کی عورتیں بڑی اچھی عورتیں ہیں، دین کا علم اور سمجھ بوجھ حاصل کرنے میں شرم وحیاء ان کے لئے مانع نہیں بنتی،

ایک مرتبہ عید کے موقع پر آپ نے لوگوں میں وعظ کیا اور صدقہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ''اَیُّهَا النَّاسُ تَصَدَّقُوْا'' پھر عورتوں کے مجمع میں بھی آپؐ نے صدقہ کی ترغیب دی، اسکے بعد آپ اپنے مکان پر تشریف لے آئے، ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور اپنا نام لے کر حاضری کی اجازت چاہی کہ زینب اجازت طلب کررہی ہے، آپؐ نے فرمایا ای الزیانب؟ کونسی زینب؟ بتایا گیا عبداللہ ابن مسعود کی بیوی، آپؐ نے حاضری کی اجازت دیدی، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا ہے اور میرے پاس میرے ذاتی زیورات ہیں جسے میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں، تو ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں اور میرا بیٹا تیرے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں، میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ابن مسعود نے صحیح کہا تیرا شوہر اور تیرا لڑکا تیرے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں، (بخاری)

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عورتیں ازواج مطہرات کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا تذکرہ قرآن میں کیا ہے، اور ہمارا قرآن میں کوئی ذکر ہی نہیں، کیا ہم میں کوئی قابل ذکر شی نہیں ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ عورتیں کہنے لگیں ''لَوْ کَانَ فِیْنَا خَیْراً لَذُکِرْنَا'' اگر ہم میں کوئی خیر ہوتی تو ہمارا بھی ذکر قرآن میں ہوتا، اسپر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی تذکرہ کیا گیا، اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤمِنِیْنَ وَ الْمُؤمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ اِلٰی آخر الایۃ۔ (روح المعانی ۲۲/۲۳)

حضرت عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم حضرت ام الدرداء کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر ہم نے عرض یا کہ شاید آپ اکتا گئی ہیں؟ فرمانے لگیں کیا کہتے ہو، ہر کام میں میری نیت عبادت کی رہتی ہے، مگر علمی مذاکرے سے زیادہ مجھے کسی کام میں بھی لذت نہیں ملتی۔

درسگاہ نبویؐ کے تین طرح کے طلبہ

درسگاہ نبویؐ میں علم حاصل کرنے والے طلبہ تین قسم کے تھے۔

پہلی قسم کے طلبہ

بڑا حصہ ان طلبہ کا تھا جو اپنے کاروبار اور معاشی مشاغل کیساتھ علم حاصل کرتے تھے۔صورت اس کی یہ ہوتی تھی کہ اپنے کاروبار سے وقت نکال کر علم دین سیکھتے تھے، اگر دن کو کام کاج سے فرصت نہ ملتی تو رات کو حاضر ہوکر اس ضرورت کو پورا کرتے تھے، کیونکہ عمومی طور پر علمی اور دینی مزاج تھا۔

مسند احمد میں حضرت انس کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ کیا میں تمہیں تمہارے ان بھائیوں کے متعلق خبر نہ دوں جن کو ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں قُرّاء کہا کرتے تھے، وہ تعداد میں ستر تھے، رات کو وہ مدینہ میں اپنے استاد کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھتے رہتے، صبح کو ان میں سے جو طاقتور ہوتے وہ میٹھا پانی بھر کر لاتے اور لکڑی کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے، جن کو گنجائش ہوتی وہ جمع ہوکر بکری خرید لیتے اس کو بناتے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے پاس لٹکی رہتی۔

اکابر صحابہ کی یہی صورت تھی، حتی کہ اگر کاروباری اور معاشی مشاغل کی کثرت کے سبب روزانہ حاضر نہ ہوسکتے تو کسی کو اپنا رفیق بنا کر باری باری حاضر ہوتے، ایک دن خود جاتے ایک دن ساتھی جاتا، واپسی پر جانے والا اس روز کے حالات واحکام نہ جانے والے ساتھی کو بتادیتا،

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَجَارٌ لِي	میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی بنو
مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ بَنِي اُمَيَّةَ بْنَ زَيْدٍ	امیہ بن زید کے محلّہ میں جو

وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ يَوْمًا وَاَنْزِلُ يَوْمًا فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ (بخاری ۱/۱۹)	مضافات مدینہ میں تھا رہتے تھے، ہم دونوں باری باری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے، ایک دن وہ حاضر ہوتا اور ایک دن میں، جس دن میں حاضر ہوتا اس دن کی اطلاع اور احکام وغیرہ میں اسکو پہنچا دیتا اور جس دن

وہ حاضر ہوتا اس دن کی اطلاعات واحکام وہ مجھے پہنچا دیتا،

دوسری قسم کے طلبہ

یہ تو صحابہ کا عام رنگ تھا، ان کے علاوہ بعض طلبہ وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو کاروباری اور معاشی ضروریات سے فارغ کر کے مستقل طور پر درسگاہ نبوی کے حوالہ کر رکھا تھا، جیسے آج کل طلبہ مستقل طور پر قیام مدرسہ میں رکھتے ہیں، لیکن وہاں پر اس طرح کی سہولیات مہیا نہ تھیں، پھر ان میں بھی دو طرح کے طلبہ تھے، ایک وہ جو ایک متعینہ مدت تک عارضی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے، مختلف قبائل سے اور دور دراز مقامات سے دین سیکھنے کے لئے آتے اور ایک معین وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں علم سیکھتے اور صحابہ سے علم حاصل کرتے رہتے، پھر واپس چلے جاتے، ان کی حاضری وقتی اور ہنگامی رہتی تھی، ایسے عام طالب علموں کی آمد و رفت کا سلسلہ کم و بیش ہمیشہ رہتا تھا، یہ لوگ وفود اور جماعتوں کی شکل میں آتے تھے، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں ایسے وفود کے تذکرے ملتے ہیں وفد بجیلہ میں ایک سو پچاس افراد تھے، وفد نخع میں دو سو اور وفد مزینہ میں چار سو نفر تھے۔

تیسری قسم کے طلبہ

تیسری قسم کے طلبہ وہ اولوالعزم اور باہمت مردان خدا تھے جو تمام دنیوی راحتوں کو قربان کر کے اور ساری معاشی مصروفیات کو ختم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آپڑے تھے، یہ رات و دن حاضر باش رہتے تھے، تعلیم و تعلم، ذکر و تلاوت، اور باہم مذکورہ و مراجعہ کے علاوہ ان کو اور کوئی مصروفیت نہیں تھی، یہ حضرات ''اصحاب صفہ'' کے نام سے پہچانے جاتے تھے، درسگاہ نبوی کے طلبہ میں اصحاب صفہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، ان کے سرفہرست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام نامی ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی مہاجرین کو بازاروں کی مصروفیات مشغول رکھتی تھیں اور ہمارے بھائی انصار باغات و اموال میں مشغول رہا کرتے تھے اور ابو ہریرہ پیٹ پال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اور ایسے اوقات و مقامات میں حاضر رہتا تھا جس میں وہ لوگ حاضر نہیں ہوتے تھے اور وہ باتیں یاد کرتا تھا جس کو وہ لوگ یاد نہیں کرتے تھے۔ (بخاری ۱/۲۲)

اصحاب صفہ کی تعداد عام حالات میں ساٹھ ستر کے قریب ہوا کرتی تھی، کمی زیادتی بھی ہوتی رہتی تھی، علماء نے ان کی مجموعی تعداد چار سو تک بیان کی ہے، (خیر القرون)

چوتھی صدی کے وسط تک تعلیم و تعلّم کا طرز و طریق

عہد صحابہ و تابعین میں با قاعدہ مدارس کا قیام نہ تھا اور نہ ہی طلبہ کے لئے خورد و نوش کا اور رہنے سہنے کا کوئی معقول نظم تھا، بلکہ طلبہ خود ہی اپنا انتظام کر لیتے تھے، عام طور پر مساجد ہی میں علمی حلقات اور تعلیمی مجالس قائم ہوتی تھیں، بعض

حضرات اپنے مکانوں پر بھی تعلیم دیتے تھے، ایک ایک حلقہ میں کئی ہزاروں کی تعداد میں فقہا علماء شریک ہوتے تھے اور ایک ایک مسجد میں کئی کئی حلقے لگتے تھے، علمی تشنگی اور طلب کا یہ حال تھا کہ جہاں جہاں محدثین ہوتے لوگ حدیث سیکھنے کے لئے ان کے پاس جاتے، اکثر پیدل سفر کرتے اور جب کوئی محدث کسی مقام پر آنکلتا تو خبر پاتے ہی لوگ دکانیں بند کرکے اور کام کاج کو چھوڑ چھوڑ کے اس کے پاس جمع ہوجاتے اور ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں سینکڑوں اور ہزاروں بلکہ آخر میں تو ایک لاکھ سے بھی زائد طالبان علوم نبوت شریک رہتے تھے،

(دعوت علم وعمل)

یزید بن ہارون نے جب بغداد میں درس حدیث دیا تو اس میں ستر ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا، امام عاصم بن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں بیٹھے تھے، خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار اپنا ایک معتمد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار حاضرین کی تعداد کا اندازہ تھا۔

احمد بن جعفر راوی ہیں کہ جب ابو مسلم بغداد میں آئے تو رحبہ غسان نامی مقام پر انہوں نے حدیث کا املاء کیا، سات مستملی کھڑے ہوئے جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریر حدیث میں مصروف تھے، دواتوں کا شمار کیا گیا تو کچھ اوپر چالیس ہزار دوایتیں شمار ہوئیں جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔

شیخ وقت فریابی نے بغداد میں املائے حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی ان کی مجلس میں حاضر تھے اور حاضرین تخمیناً تیس ہزار، فریابی کی مجلس میں دس ہزار آدمی ان کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو دوات قلم لے کر بیٹھتے،

فریبری کی روایت ہے کہ امام بخاری کی جامع صحیح کو ان سے نوے ہزار

آدمیوں نے سنا، (تاریخ دعوت وعزیمت)

اس دور میں طلب علم اور اس کے واسطے سفر و مشقت کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ ایک ایک شخص کے استاذوں کی تعداد تین، تین، چار چار اور پانچ پانچ ہزار تک پہنچ جاتی تھی، طلب علم کا یہ طرز وطریق اور یہ صورت حال تقریباً چوتھی صدی کے وسط تک رہی۔ (دعوت علم وعمل)

قرون اولیٰ میں

علم کی ترقی و وسعت

قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کا پہلا لفظ ''اقرأ'' آیا کہ پڑھو اور اس کے بعد متصلاً آیت میں خدا تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کرنے کو اپنی نعمت کے طور پر ظاہر کیا اور اس میں قلم کا خصوصیت سے ذکر کیا اور اس کو علم کے فروغ کا ذریعہ قرار دیا، پھر اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی طرف توجہ دی اور اس کے حصول کے لئے انتظام کی فکر کی، جس کے نتیجہ میں علم اس امت کی دلچسپی کا خاص موضوع بنا۔

چنانچہ اس امت کے آغاز کے بعد صرف دو تین صدیوں کے اندر یہ امت علم کے اس مقام پر پہنچ گئی کہ جس میں پوری دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں رہا اور علم میں یہ امت کمال کے مقام پر پہنچ کر ساری دنیا کی معلم اور استاذ بنی اور اس نے اپنی اس برتری کو چھ صدی تک برقرار رکھا۔

چنانچہ ساتویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی تک سب سے زیادہ علم رکھنے والی اور علم کو فروغ دینے والی امت یہی امت رہی اور مسلمانوں کے لئے صرف مذہبی دائرے میں نہیں بلکہ لٹریچر میں، سائنس میں اور تجرباتی علوم میں بھی ممتاز اور نمایاں رہے، طب، ہیئت اور ریاضی سے لیکر جغرافیہ اور جہاز رانی تک نظم و

انتظام، سیاست اور حکومت اور فن حرب تک یہ کارنامے پھیلے ہوئے ہیں، پھر ان مختلف علوم میں تحقیق کو اس مقام تک پہنچایا کہ پرانے حقائق میں ترمیم اور نئے حقائق کا اضافہ کیا اور مذہبی علوم میں وہ کمال پیدا کیا جس میں کوئی دوسری قوم نہ پہلے مثال پیش کرسکتی ہے اور نہ بعد میں اس کی مثال سامنے آئی، تفسیر قرآن، علوم حدیث اور شریعت اسلامی میں اسلامی سرمایہ کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی،

(امت مسلمہ رہبر اور مثالی امت)

قرون اولیٰ میں علمی کارہائے نمایاں

علم وفکر کے میدان میں بھی اس امت نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اعلیٰ انسانی مثالیں قائم کیں، علم کا وہ حصہ جو وحی الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے اور جس کو آسمانی ہونے کا تقدس حاصل ہے اس میں بھی کمال و وسعت کے بیش بہا نمونے اور کارنامے اس امت نے پیش کیے، آسمانی کتاب قرآن مجید کی تشریح، اس کے الفاظ و معانی کی گہرائیوں کو سمجھنا اور سمجھانا اور اس کے نکتوں کی تحقیق کرکے واضح کرنا اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی خدمت کرنا کہ اس میں کسی دوسرے کی طرف سے تغیر یا حذف و اضافہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکے اور دینی احکام اور مذہبی حقائق صاف اور واضح طریقہ سے متعین ہوجائیں، اور اس دین کے دین کامل ہونے اور اس کی شریعت کے مکمل اور تا قیامت کارفرما رہنے کی ضمانت ہوجائے، ایسی مثالیں جو پوری انسانیت کی تاریخ میں اور جگہ نہیں ملتیں، اس مقصد کے لئے ان کو متعدد نئے علوم مدون کرنے پڑے اور اس میں بھی انہوں نے علمی کمال کا ثبوت دیا، خاص طور پر اسماء الرجال اور حدیث کے راویوں کے طبقات اور ان کا تحقیقی کام اور قرآن و حدیث سے باقاعدہ اعلیٰ درجہ کا ضابطۂ حیات کی تدوین وترتیب بے مثال علمی سرمایہ ہے اور دین کے مکمل کیے جانے کے

بعد اس کے مکمل ثابت ہونے اور مکمل طور پر جاری رہنے کی دلیل ہے، اس طریقہ سے مذہب اور قوانین مذہب کے علوم کا ایک نیا خزانہ تیار ہوگیا کہ جس کے چوٹی کے ماہرین کی بڑی تعداد ملتی ہے، پھر یہ کہ اسطرح کی خدمت علمی کا سلسلہ مسلسل قائم ہے، اس میں انسانی زندگی کے طور وطریق جوخواہ مذہبی پہلو کے ہوں اور خواہ معاملاتی پہلوؤں کے، قوانین شریعت کا ایسا مفصل اور جامع دستور مرتب کردیا گیا جو دنیا کی دیگر قوموں میں نہیں ملتا۔

عقلی اور تجرباتی علوم میں بھی اس امت کے علماء نے بڑی موشگافیوں اور تحقیقات وتجربات کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں، ان علوم میں فلسفہ ومنطق، علم کلام، ہئیت وریاضی سائنس اور دیگر علوم کو ان کے ساتھ عقائد ونظریات اور دیگر علمی مضامین شامل رہے ہیں، مسلمان اہل علم وتحقیق نے فلسفہ ونظریاتی علوم میں اسی کے ساتھ سائنس اور تجرباتی علوم میں جو کتابیں اور تحقیقاتی مباحث پیش کئے ان سے آج تک کسب فیض کیا جارہا ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں کتابوں کا ایسا سرمایہ تیار کیا جو نہایت بیش بہا سرمایہ قرار پایا۔ جن میں سے علوم دینیہ میں اتنی وسعت اور اتنا عمق پیدا کیا کہ دیکھ کر انسانی عقل ششدرر ہ جاتی ہے، اس کے علاوہ تجرباتی علوم میں اس امت کے جلیل القدر محققین علماء نے بڑا امتیاز پیدا کیا اور نئی راہیں بنائیں خاص طور پر طب کے سلسلہ میں خصائص اشیاء اور معالجات کا جو سرمایہ ان کو قدیم حکماء سے ملا، اس میں انہوں نے ایسے عظیم اضافے کئے اور اپنے تحقیقی اور تجرباتی نظریات قائم کئے کہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ اصل طبی نظریات بن گئے اور عصر جدید کے تمدن کے اطباء کو بھی ان سے استفادہ سے استغنا نہیں رہا، جن میں خاص طور سے ابن سینا کی طب کی کتاب طب کی کتابوں میں امام وپیشوا کا درجہ رکھتی ہے۔

الٰہیات وعقائد پر جو فلسفہ اور مذہب دونوں سے تعلق رکھنے والا علم ہے ایسا

کام کیا گیا جس کا تاریخ میں نمایاں مقام ہے، خاص طور پر عقائد کی تصحیح اور الٰہیات میں سابق ملحد و مشرک حکماء کی تحقیقات کا جائزہ اور ان کے منحرف پہلوؤں کی نشاندہی کا کام منفرد کام ہے جو ملت کے متعدد وعظیم المرتبت علماء نے انجام دیا، اس میں امام غزالی کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔

(حوالہ سابق)

اسلامی کتب خانوں کا اہتمام

مسلمانوں نے اپنی چھ سو سالہ غیر معمولی علمی فروغ کی مدت میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں، جن کے ذریعہ علمی تحقیق اور انکشافات و معلومات کا ذخیرہ تیار کردیا، یہ زمانہ طباعت کا زمانہ نہ تھا اور کاغذ کی صنعت اپنے عروج تک نہیں پہنچی تھی، شروع شروع میں ہرن کے کاندھے پر واقع جھلی سے کام لیا اور اس پر تحریر کردہ کتابوں کا ذخیرہ تیار کردیا، اس کے علاوہ کاغذ پر کتابیں تحریر کی گئیں جو باوجود صدیاں گذر جانے کے ابھی تک مسلمان ممالک کے قدیم اور بڑے کتب خانوں میں دیکھی جاسکتی ہیں، اس زمانے کی کتابیں سب قلمی ہوتی تھیں اور شائقین علم ان کی نقلیں کراتے اور اپنے ذاتی کتب خانوں کی زینت بناتے تھے، اس سے پورے عالم اسلام میں علم کا چرچا اور فروغ بڑھتا گیا، پھر بتدریج یورپ کے لوگوں کو توجہ ہوئی اور انہوں نے اپنی علمی ترقی کا آغاز انہی کتابوں سے کیا اور بعد میں جب وہ ملک طاقت ور اور سامراجی بنے تو مسلمان ملکوں کو مغلوب کر کے ان کی کتابوں کے بہت سے ذخائر اپنے کتب خانوں کے لئے لے لئے، جو آج بھی ان کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے علمی عروج کے دور میں ان کے ملکوں میں جگہ جگہ کتب خانے قائم ہوئے، جن میں کتابوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی، یہ کتب خانے حکومتی سطح کے بھی ہوتے تھے اور ذاتی سطح کے بھی، ان میں کتابوں کی تعداد کا اندازہ ذیل کی تفصیل

سے کیا جاسکتا ہے۔ (حوالہ سابق)

اسلام میں دورِعروج کے کتب خانے

چھ صدی سے زیادہ کے اس عرصہ میں مختلف علوم وفنون پر مسلمانوں نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں، انسانی علوم و معارف کا کوئی راستہ ایسانہیں بچا جن پر مسلمانوں نے اپنے نقش قدم نہ چھوڑے ہوں، حجاز مقدس، عراق، شام، مصر، مغرب، عربی اور اندلس وغیرہ میں لا تعداد کتب خانے قائم ہوگئے، یہ کتب خانے عموماً تین طرح کے تھے۔

مساجد میں قائم کتب خانے

کم وبیش ہر مسجد میں یہ کتب خانے قائم تھے، جہاں طلبہ اور علماء کے لئے تمام ضروری سہولتیں مہیا ہوتی تھیں، ان میں سے بہت سے کتب خانوں میں قلمی نسخوں کے بڑے بڑے ذخائر تھے۔

ذاتی کتب خانے

وزیروں، امیروں اور رئیسوں نے بھی اپنے ذاتی کتب خانے قائم کر رکھے تھے، جن کے دروازے علماء ومحققین کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔

عوامی کتب خانے

عالم اسلام کا کوئی بھی بڑا شہر ان کتب خانوں سے خالی نہیں تھا بلکہ بعض شہروں میں کئی کئی عوامی کتب خانے قائم تھے، ان میں بغداد کا کتب خانہ ''دارالحکمت'' سب سے زیادہ مشہور ہوا، دوسرے مشہور کتب خانوں میں مصر میں جامع ازہر کا کتب خانہ، دمشق میں کتب خانہ'' ظاہریہ'' تیونس میں ''تھونہ'' اور قروان اور فاس یعنی (مراکش) میں کتب خانہ'' قروبین'' وغیرہ تھے، صلاح الدین

ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں سیریا (شام) کے شہر آمد کے کتب خانے میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔

استاذ شوقی ابوخلیل لکھتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری میں حاکم (بامراللہ) نے قاہرہ میں بغداد کے طرز پر ایک عظیم الشان کتب خانہ ''دارالحکمت'' کے نام سے قائم کیا تھا، جس میں ایک لاکھ جلدیں تھیں، بطلیموس کا بنایا ہوا ''کرۂ سماویہ'' Celestial Globe بھی اس کتب خانہ کی زینت تھا۔

قاہرہ میں عزیز باللہ فاطمی کے قائم کردہ کتب خانے میں دس لاکھ ساٹھ ہزار کتابیں تھیں، جن میں صرف ریاضیات پر چھ ہزار، اور فلسفہ پر دس ہزار کتابیں تھیں۔

چوتھی صدی میں ہی قائم شدہ قرطبہ لائبریری میں چار لاکھ قلمی نسخے تھے، جن کی فہرست چوالیس ضخیم رجسٹروں میں تیار کی گئی تھی۔

حما (شام) کے امیر ابوالفداء کے پاس ستر ہزار نادر اور بیش قیمت کتابیں تھیں۔''ول ڈیورائیٹ اپنی کتاب ''تہذیب کی کہانی Story of Clvilization'' میں لکھتا ہے،

بخارا کے سلطان نے ایک مشہور طبیب کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی تو طبیب نے اس عذر کے ساتھ اس کی دعوت کو رد کردیا کہ اسے اپنی کتابیں منتقل کرنے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت پیش آئیگی، اس وقت یورپ کا حال یہ تھا کہ کتب خانے تو کجا کلیساؤں کے باہر بائبل بھی دستیاب نہیں تھی،

(امت مسلمہ بحوالہ مسلمانوں کی علمی میراث اوراس کی یورپ منتقلی)

دنیائے عرب کے علاوہ ترکی، ایران، ماوراء النہر، اور ہندوستان میں بھی بے شمار ذاتی عوامی اور مساجد و مدارس میں کتب خانے قائم تھے۔

مسلمانوں کے علمی سرمایہ سے مغرب کی خوشہ چینی

مسلمانوں نے اپنے اس سرمایہ سے برابر فائدہ اٹھایا اور اس میں مزید

وسعت دی، اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا اور یہ سب تاریخ کے اس دور میں انجام دیا، جس دور میں یورپ تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، یہ ان کا Drak Age تھا، لیکن اسپین میں وہ مسلمانوں کے علوم و معارف سے آشنا ہوئے تو ان کی آنکھیں کھلیں، وہاں انہوں نے مسلمانوں کا عظیم الشان علمی سرمایہ دیکھا اور مسلمان علماء کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور اندلس کے تعلیمی مراکز سے وابستہ ہوئے اور پوری محنت و جستجو کے ساتھ استفادہ کیا اور ان کی بہت سی تحقیقات جو مختلف النوع موضوعات اخلاقیات، تہذیب و ثقافت سماجی علوم، تاریخ و جغرافیہ سے تعلق رکھتی تھیں، اپنی کتابوں میں منتقل کیں، فن جہاز رانی میں ابن ماجد کا شہرہ تھا، البیرونی مختلف ثقافتی و سماجی موضوعات پر قافلہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں انسانی، ادبی، اور ثقافتی علوم پر انمٹ نقوش ثبت کئے، یہ سب اس بات کی واضح اور روشن دلیل تھے کہ انسانی علوم میں دوسروں پر مسلمانوں کو ہر حیثیت سے فوقیت حاصل تھی اور دنیا کے علمی سفر میں مسلمانوں کے کارناموں سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی، (حوالۂ سابق)

موجودہ ترقی یافتہ قوموں یعنی مغربی دنیا کی قوموں نے عصری اور طبیعاتی علوم میں جو ترقی کی اس کا آغاز انہوں نے امت مسلمہ کی تعلیم گاہوں، مصنفوں اور حاملین علم سے فیض اٹھا کر کیا، اس فیض کے اثرات آج کی علمی ترقیات کی بنیادوں میں صاف طریقے سے محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

اندلس اور سسلی مسلمانوں کے دو ایسے علمی اور تہذیبی مرکز تھے، جو خود یورپ میں قائم تھے، یہاں کی درسگاہیں اور یونیورسٹیاں ایک زمانہ تک عیسائی طلباء کی طواف گاہ بنی رہیں، جب ان دونوں مراکز سے مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا تو پسماندہ علمی میراث یورپ کے مختلف کتب خانوں میں منتقل ہوگئی

اسی طرح صلیبی فوجوں نے مسلمانوں کے علمی سرمایہ کو لوٹا اور برباد کیا، ان

حملوں میں فلسفہ طب اور ریاضیات وغیرہ کی کتابیں یورپ پہنچادی گئیں جبکہ حدیث تفسیر اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کو نذر آتش کردیا گیا۔

ان مہمات کے ذریعہ نہ جانے کتنے نادر و نایاب آثار، اور علمی میراث کا کتنا بڑا حصہ مغربی عجائب خانوں اور لائبریریوں میں پہنچ گیا، ان طریقوں کو خواہ کوئی بھی نام دیا جائے لیکن یہ سب چوری ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ (حوالۂ بالا)

مسلمانوں کی سستی اور مغرب کی چستی

پھر ایسا دور آیا اور حالات نے دوسری کروٹ لی کہ مسلمان عیش کوشی میں پڑ گئے، اپنی تحقیق وجستجو کا سفر روک دیا، اسلاف کے کارناموں پر قناعت کرلی اور اپنے فرائض سے کوتاہی برتنے لگے، دوسری طرف مغرب اپنی نیند سے بیدار ہونے لگا اور مسلمانوں سے حاصل کردہ علم سے فائدہ اٹھانے میں مصروف ہوگیا، بلکہ اشاعت اس نے اپنا مقصد زندگی بنالیا، رفتہ رفتہ ترقی نے ان کے قدم چومے اور علم وتحقیق کے میدان میں اس نے ترقی کے نئے نئے آفاق دریافت کیے، حیات انسانی کے میدان میں اس نے ایک انقلاب برپا کردیا، اس کی مادی ترقی اور جدید سائنسی انکشافات نے پوری نسل انسانی کو متاثر کیا اور زندگی گذارنے کے لئے نئے وسائل مہیا ہوئے۔ (امت مسلمہ)

مسلمانوں کے علمی سرمایۂ پر سب سے بڑا حادثہ

مسلمانوں کی علمی میراث کو سب سے بڑا نقصان تاتاری غارتگری میں ہوا، اور شاید انسانی تاریخ میں علم ودانش کے ساتھ کوئی دوسرا واقعہ اس قدر رستاخیز پیش نہیں آیا، جاہل اور وحشی تاتاریوں نے اپنے راستے میں آنیوالے تمام کتب خانوں کو تباہ وبرباد کردیا۔ صرف بغداد میں انہوں نے اتنی کتابیں دریائے دجلہ

میں پھینک دیں کہ جس سے دریا میں ایک بند سا بندھ گیا اور چالیس دن تک دریا کا پانی سیاہی مائل رہا۔

محمد کرد علی نے لکھا ہے کہ:

ہلاکو کے سپاہیوں نے کتابوں کے ذریعہ گھوڑوں کے اصطبل اور چارہ رکھنے کے لئے باڑے بنائے تھے۔

دوسرا بڑا حادثہ

اس سلسلہ کا دوسرا بڑا حادثہ (سقوط غرناطہ) کے وقت پیش آیا، اندلس کے ہر نشان کو مٹا دینے کی کوشش میں بے شمار کتب خانے جلا دیئے گئے۔ سب سے بڑا واقعہ غرناطہ میں پیش آیا (کارڈنیل کیسی ملنس) نے ۱۵۱۱ء میں شہر میں موجود ہر عربی کتاب کو جلا دینے کا حکم دیا، تمام کتابوں کو ''باب رحلت'' نامی میدان میں اکٹھا کر کے سپرد آتش کر دیا گیا، مشہور قول کے مطابق ان کتابوں کی تعداد دس لاکھ ستر ہزار تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پورے اندلس میں مجموعی طور پر کتنا بڑا علمی سرمایہ ضائع ہوا ہوگا۔ (حوالۂ بالا)

تیسرا بڑا حادثہ

مسلمانوں کی علمی میراث پر تیسری قیامت صلیبی جنگوں کی صورت میں نازل ہوئی، اسلامی کتب خانے صلیبی حملوں کا خاص نشانہ تھے۔ طرابلس شام کے مشہور کتب خانے بنو عمار کے علاوہ بیت المقدس عسقلان، غزہ، اور معرہ وغیرہ شہروں کے متعدد کتب خانے جلا دیئے گئے، مورخین کے مطابق صرف طرابلس (اب لبنان میں واقع) کے مختلف کتب خانوں میں جو کتابیں جلائی گئیں انکی تعداد تیس لاکھ کے قریب تھی، صلیبی حملے ۱۰۹۶ء سے ۱۲۹۱ء تک جاری رہے۔

رومانیہ کے شہنشاہ (شارک پنجم) نے ۱۵۲۶ء میں جب تیونس (تیونیشیا) پر

قبضہ کیا تو وہاں موجود تمام عربی کتابوں کو جلوا دیا تھا۔ (حوالہ بالا)

اسلام میں موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء کے بارے میں علامہ مقریزیؒ کا بیان ہے۔

اِنَّ الْمَدَارِسَ مِمَّا حَدَثَ فِي الْاِسْلَامِ وَلَمْ تَكُنْ تُعْرَفُ فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ وَلَا التَّابِعِيْنَ وَاِنَّمَا حَدَثَ عَمَلُهَا بَعْدَ الْاَرْبَعِ مِائَةٍ مِنْ سِنِي الْهِجْرَةِ وَاَوَّلُ مَنْ حفِظَ عَنْهُ اَنَّهُ نَبِيٌّ فِي الْاِسْلَامِ اَهْلُ نَيْسَابُوْرَ فَبُنِيَتِ الْمَدْرَسَةُ الْبَيْهَقِيَّةُ.

مدارس اسلام میں بعد میں بنائے گئے ہیں صحابہ اور تابعین کے زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، ان کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے۔ اور اہل نیسابور نے سب سے پہلے مدرسہ بنایا اور مدرسہ بیہقیہ کی تعمیر ہوئی۔

ہمارے نزدیک چوتھی صدی کے بعد نہیں بلکہ چوتھی صدی کے اندر نیسابور کے شافعی فقہاء علماء نے مدرسوں کو تعمیر کیا ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ وزیر نظام الملک طوسی متوفی ۴۸۵ھ نے مدارس کی بنیاد ڈالی، حالانکہ امام تاج الدین سبکی کی تصریح کے مطابق وزیر موصوف کی ولادت سے پہلے کئی مدارس تعمیر ہو چکے تھے۔ صرف نیسابور میں چار مدارس جاری ہو چکے تھے۔ پہلا مدرسہ بیہقیہ، دوسرا مدرسہ سعدیہ جس کو امیر نصر بن سبکتگین سلطان محمود غزنوی کے بھائی نے نیسابور کی امارت کے دور میں تعمیر کیا تھا۔ تیسرا مدرسہ جس کو نیسابور میں ابوسعد اسماعیل بن علی بن مثنی استرآبادی واعظ صوفی متوفی ۴۴۰ھ نے قائم کیا تھا۔ چوتھا مدرسہ نیسابور میں استاذ ابواسحٰق اسفرائنی کے لئے بنایا گیا، بقول حاکم مدرسہ ابواسحٰق سے پہلے نیسابور میں ایسا شاندار مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اسکے بعد امام سبکی نے لکھا ہے کہ میں نے غور وفکر کیا تو ظن غالب ہوا کہ سب سے پہلے نظام الملک نے طلبہ کیلئے معالیم اور وظائف مقرر کیے ہیں۔ (خیر القرون کی درسگاہیں)

طالب علمی انتخابِ خداوندی ہے

علم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس پر دونوں جہاں کی کامیابی وسرخروئی کا مدار ہے، اس کا حاصل کرلینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، یہ دولت قوت وطاقت کے بل بوتے پر نہیں، نہ وجاہت کے زور سے، نہ مال وزر کی قوت سے حاصل ہوسکتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

بلکہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے، اس کی عطا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا انتخاب کرتے ہیں اوران کوزیور علم سے آراستہ کرتے ہیں، کیونکہ علم نبوت کی میراث ہے۔جیسے حدیث میں ہے۔"اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ (رواہ احمد والترمذی وغیرہما مشکوٰۃ ۱/۳۴) علماء دین انبیاء کے وارث ہیں اور اس میں شک نہیں کہ انبیاء اپنا ورثہ دینار ودرہم (اور کسی دینوی مال واسباب) کی صورت میں چھوڑ کر نہیں جاتے، وہ اپنا ورثہ صرف ''علم دین'' کی صورت میں چھوڑ کر جاتے ہیں۔'' پس جس نے دین کا علم حاصل کرلیا اس نے پورا حصہ پالیا............................ اورنبوت ورسالت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ''اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ'' اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اورانسانوں میں''

دوسری جگہ فرمایا ''اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ'' اللہ جانتا ہے اس موقع کو جہاں وہ اپنا پیغام بھیجے۔ ....پس ثابت ہوا کہ علم کے لئے بھی انتخاب ہوتا ہے۔

بلکہ بعض جگہوں پر تو اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ ''اصطفاء'' بمعنی انتخاب براہ راست امت محمدیہ اور اس کے علماء کیلئے استعمال کیا ہے، جو قرآن میں اکثر انبیاء کیلئے استعمال ہوا ہے، چنانچہ فرمایا ''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا'' پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے چن لیا ہے اپنے بندوں میں سے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد امت محمدیہ ہے، اس کے علماء بلاواسطہ اور دوسرے لوگ بواسطۂ علماء

معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور علوم نبوت کیلئے مثل نبوت ورسالت کے انتخاب ہوتا ہے اگرچہ اصطفاء ''انتخاب'' کے درجات مختلف ہیں۔

(ملخص از معارف القرآن)

ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا	اللہ تعالیٰ جسکو چاہتے ہیں حکمت (علم) عطا کرتے ہیں، اور جسے حکمت کی دولت مل گئی اسے خیر کثیر مل گئی۔

حکمت کی ایک تفسیر علم مع العمل سے کی گئی ہے، اس کے علاوہ حکمت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، تقریباً تیں قول ہیں، تفسیر بحر محیط میں ان تمام اقوال کو جمع کیا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ درحقیقت یہ سب اقوال متقارب ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں، صرف تعبیرات کا فرق ہے۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ. متفق علیہ (مشکوٰۃ ۳۲/۱)	اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بھلائی منظور ہوتی ہے اسکو دین کی سمجھ عطا کرتے ہیں اور حقیقت تو بس یہ ہے کہ میں تو صرف بانٹتا

ہوں اور عطا کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

محمد بن کعب کا بیان ہے کہ حضرت امیر معاویہ ابن ابی سفیان نے مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے کہا اے لوگو! خدا جو کچھ دے چکا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں، اور جو کچھ نہیں دیا ہے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ خدا کے مقابلہ میں کسی کا بھی بس نہیں چل سکتا، خدا کو جس سے بھلائی منظور ہوتی ہے اسے دین کی سمجھ بخشتا ہے، میں نے یہ لفظ اسی منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو جمع فرمادیں گے، پھر ان میں سے علماء کو ایک ممتاز مقام پر جمع کرکے فرمائیں گے۔

اِنِّی لَمْ اَضَعْ عِلْمِی فِیْکُمْ اِلَّالِعِلْمِی بِکُمْ وَلَمْ اَضَعْ عِلْمِیْ فِیْکُمْ لِاُعَذِّبَکُمْ اِنْطَلِقُوْا فَقَدْغَفَرْتُ لَکُمْ.

میں نے اپنا علم تمہارے قلوب میں اسی لئے رکھا تھا کہ میں تم سے واقف تھا۔ (کہ تم اس امانت علم کا حق ادا کروگے) میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں اس لئے نہیں رکھا کہ تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تم سب کی مغفرت کردی۔ (تفسیر مظہری)

اسماعیل بن رجاء کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد کو خواب میں دیکھا، تو میں نے پوچھا "مَا فَعَلَ اللّٰہُ بِکَ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ امام محمد نے فرمایا "غَفَرَلِیْ ثُمَّ قَالَ لَوْاَرَدْتُّ اَنْ اُعَذِّبَکَ مَاجَعَلْتُ ھٰذَا الْعِلْمَ فِیْکَ." اللہ نے میری مغفرت کردی پھر فرمایا کہ اے محمد! اگر میں تمہیں عذاب ہی دینا چاہتا تو تمہارے سینے میں یہ علم کی دولت نہ رکھتا۔ میں نے پوچھا ابویوسف کہاں ہیں؟ فَاَیْنَ اَبُوْیُوْسُفَ ؟ تو انہوں نے کہا "فَوْقَنَا بِدَرْجَتَیْنِ" ہم سے دو درجہ اوپر میں نے کہا فَاَبُوْحَنِیْفَۃ؟ تو ابوحنیفہ؟ تو فرمایا "ھَیْھَاتَ ذَاکَ فِیْ اَعْلٰی

عِلِّيِّينَ ''ان کا تو مقام بہت ہی اونچا ہے۔ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔
(درمختار ۱/۵)

اسلاف کی طالب علمی اور ہمارا حال

آج کل ہمارے طلبہ کی علمی افسردگی، عزائم و ھمم کی پژمردگی اور عملی واخلاقی حالت دیکھ کر بڑا رنج وصدمہ ہوتا ہے کہ اس قدر علمی واخلاقی انحطاط وتنزل کیوں ہے؟ جبکہ انہی درسگاہوں سے تعلیم حاصل کر کے ہمارے اسلاف وا کابر ابھی ماضی قریب میں آسمانِ علم وہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر نکلے ہیں، حالانکہ ایک طرف تحصیل علم کے اسباب ووسائل پہلے کے مقابلہ میں آج بہت زیادہ فراہم ہیں، کتابوں کو ہی لے لیجئے مختلف علوم وفنون کی درسی وغیر درسی کتابوں کے کتب خانے بھرے پڑے ہیں، جس فن کی اور جس موضوع پر کتاب نکالنی ہو ایک نہیں کئی ایک نکال لیجئے، اسی طرح اور بھی مختلف قسم کی سہولتیں پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ فراہم ہیں، لیکن اس قدر فراوانی اسباب کے باوجود دوسری طرف طلبہ کا یہ حال ہے کہ پورا سال گذر جاتا ہے، کتاب سے کوئی مناسبت پیدا نہیں ہوتی، عبارت تک صحیح نہیں پڑھ پاتے، املاء تک درست نہیں، بعض کا تو یہ حال ہے کہ کتاب کا نام تک صحیح نہیں بتا پاتے۔

ہمارے اسلاف کے دور میں اس قدر اسباب کی فراوانی اور سہولتیں میسر نہیں تھیں بلکہ یہ حال تھا، حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ اسحٰق صاحب کے یہاں بخاری کا درس ہوتا تھا، بائیس طلبہ شریک درس تھے، اور بخاری کا صرف ایک نسخہ تھا سب اس سے نقل کر کے پڑھتے تھے، اندازہ لگایئے کہاں وہ دور اور کہاں آج کا اسباب ووسائل والا دور!

اس کے باوجود علمی معیار بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا تھا اور طالب علمی میں ہی

طلبہ کی علمی استعداد ایسی مضبوط ہوتی تھی کہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں فرماتے تھے کہ میں جس وقت دارالعلوم دیوبند میں سلم العلوم پڑھاتا تھا، تو کانپتا تھا چونکہ طلبہ میں بعض کو ملا مبین شرح سلم حفظ تھی، آہ! علم کی پستی کہ آج کل شرح تو شرح متن بھی حفظ نہیں، حفظ تو درکنار ناظرہ بھی صحیح نہیں کہ عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے الا ماشاء اللہ۔

زمانۂ طالبعلمی میں جبکہ حضرت تھانوی کی عمر اٹھارہ سال تھی، حضرت کو مرض خارش لاحق ہوا، اس لئے وطن آگئے اور بطور مشغلہ فارسی اشعار پر مشتمل مثنوی ''زیروبم'' تحریر فرمائی، جو آپ کی پہلی تصنیف ہے۔ چنانچہ اس کی تمہید اس طرح شروع کی ہے ''ہمی گوید گرفتار دردو نالہ نادان ہیشدہ سالہ۔

زمانۂ طالبعلمی میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری ایک مرتبہ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کررہے تھے، اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آگئے، ان عالم نے ان کتابوں کو اٹھا کر دیکھا تو کتابوں پر خود حضرت شاہ صاحب کے حواشی لکھے ہوئے تھے۔ بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت، تیز طبع، جودت فہم اور طبیعت کی دور رسی کا اندازہ کرکے بے اختیار انہوں نے کہا کہ ''یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا۔''

حضرت علامہ کشمیری نے خود ایک دفعہ فرمایا کہ میں نو سال کی عمر میں فقہ ونحو کی مطولات کا مطالعہ کرچکا تھا اور بارہ سال کی عمر میں فتاوی دینے لگا تھا۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ (بروں کا بچپن)

سوانح یوسفی میں حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ اپنے دورِ طالبعلمی میں جب مشکوٰۃ شریف پڑھتے تھے۔ اسی وقت حالات صحابہ وتابعین کی تحقیقات کا کام شروع کردیا تھا، چنانچہ بعد میں چل کر ''حیاۃ الصحابہ'' عربی میں تین ضخیم جلدیں اسی زمانہ کی کدوکاوش کا عظیم شاہکار ہیں۔

ایسے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں، ہزاروں واقعات ہمارے اسلاف کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علمی معیار کتنا بلند ہوتا تھا اور ان درسگاہوں سے وہ کیسے کامل، قابل اور لائق بن کر نکلتے تھے۔

ایک مثالی طالب علم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ اپنے شاگردوں میں مولانا امتیاز گیاوی نامی ایک شاگرد کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ جب وہ پڑھنے آئے اس وقت سے مجھ سے تعلق ہوگیا تھا اور میرے یہاں برابر آتے جاتے تھے، ان کو پڑھنے کے دور میں صرف ایک لڑکے کے ساتھ کبھی کبھی فارغ اوقات میں دیکھا تھا، باقی اس کے علاوہ اوقات میں نہ کسی کے ساتھ ان کو نہ ان کے کمرے میں کسی کو، اور نہ ان کو کسی کے کمرے میں دیکھا، اس طرح اس نوجوان نے اپنا پورا دور طالب علمی پورا کیا اور فراغت پاکر ماہ مبارک گذارنے تھانہ بھون گئے، وہاں حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے ان کو اسی ماہ مبارک میں خلافت و اجازت عطا فرمائی اور شوال میں وہ اپنے وطن چلے گئے۔ (تحفۃ المتعلمین)

علمی تنزل وانحطاط کیوں؟

ہمارے اسلاف واکابر ان درسگاہوں سے تعلیم حاصل کر کے بڑی صلاحیت و قابلیت والے بن کر نکلے اور ایسے زبردست کارنامے انجام دئے کہ دنیا حیرت کررہی ہے۔

بقول صاحب آداب المتعلمین کے کہ ”ان علوم کو پڑھ کر امت میں ”قاسم ورشید، محمود وانور، یحییٰ وخلیل، مدنی وتھانوی، عثمانی وکفایت اللہ“ وغیرہ سینکڑوں ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے ایک عالم کو سیراب کیا، جو آسمان علم وہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، جن کے علوم نے اس آخری دور میں سمرقند وبخاری اور بغداد

کی یاد تازہ کردی۔"

پھر کیا وجہ ہے؟ کہ اب ان علوم کو پڑھ کر وہ صلاحیت وقابلیت پیدا نہیں ہوتی اور ان درسگاہوں سے طلبہ بالکل تہی دست نکل رہے ہیں، آخر ہمارے اس نظام تعلیم سے اور شب وروز کی تگ ودو سے اور جدوجہد سے خاطر خواہ نتائج کیوں مرتب نہیں ہوتے؟

دراصل بات یہ ہے کہ کسی بھی کام میں حقیقت وکمال پیدا کرنے کیلئے دو چیزیں ناگزیر ہیں۔ ایک تحقق شرائط، دوم ارتفاع موانع، یعنی اس کام کو کرنے میں اس کی جملہ شرائط کو بروئے کار لانا اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والی تمام چیزوں سے بالکلیہ احتراز، جب تک یہ دو چیزیں حاصل نہیں ہوتی وہاں تک اس کام میں حقیقت وکمال پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہمارے اسلاف جو کامل اور قابل بنے اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس کے مطابق طالب علمی کی زندگی گذارتے تھے۔ ....اور آج ہمارے طلبہ نے ان دونوں چیزوں کو بالائے طاق رکھ دیا، اسلاف کے نقش قدم سے ہٹ گئے، لاپرواہی اور لاابالی کے ساتھ تعلیمی کورس پورا کردیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سند فراغت حاصل ہوجاتی ہے اور حقیقت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

اگر آج بھی حقیقت پیدا کرنی ہے تو بیدار مغزی کے ساتھ پیچھے مڑکر اپنے اسلاف کی زندگی کا آئینہ دیکھنا ہوگا اور ان کی طالب علمی کی زندگی سے وہ علمی شرائط وموانع کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ اگر اس طریقہ پر ہمارے طلبہ نے اپنی طالب علمی کی زندگی گذارنا شروع کیا تو آج بھی وہ حقیقی علم کی دولت لازوال سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں اور آج بھی وہ زرین کارنامے انجام دے سکتے ہیں، جن پر تاریخ فخر کررہی ہے۔

کیا اب رازی وغزالی پیدا نہیں ہوسکتے؟

اسلاف کی طالبعلمانہ زندگی کے نہج پر طالب علمی کی زندگی گذار کر طلبہ آج بھی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں۔ یہ قصہ ماضی پر ختم نہیں ہوگیا، یہ کوئی ماضی ہی کی خصوصیات نہیں تھی، بلکہ آج بھی آپ یہ صدا لگاسکتے ہیں۔ ؎

کہدو میر و غالب سے کہ ہم بھی شعر کہتے ہیں ☆ وہ تمہارا دور تھا یہ ہمارا دور

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ ایسے ہی طالبین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ اس احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہوگئے کہ اجی اب رازی وغزالی کے سے علوم اور ان کے جیسے رجال کہاں پیدا ہوں! اب تو اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فیض ہروقت ہر زمانے میں یکساں ہے۔ اس کی رحمت وفیض سے کچھ بعید نہیں کہ آج بھی رازی وغزالی پیدا ہوں، بلکہ اس وقت بھی رازی وغزالی موجود ہیں اور ہر زمانے میں پیدا ہوتے ہیں، ہے تو بے ادبی مگر میں بے ادبی نہیں سمجھتا، اس لئے کہ یہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے، حقیقت میں بے ادبی نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام غزالی اور رازی سے افضل موجود ہیں، دیکھ لیجئے امام غزالی اور رازی کی بھی مصنفات موجود ہیں اور اس وقت کے بعض بزرگوں کی موجود ہیں، موازنہ کرلیا جائے حضرت! نبوت ختم ہوئی ہے، علم وولایت ختم نہیں ہوئی، خدا کی قسم! غزالی ورازی اب بھی ہوسکتے ہیں، کیا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما غزالی ورازی سے کچھ کم تھے، واللہ! بعض تحقیقات میں یہ حضرات ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست ☆ خم وخم خانہ بامہر ونشان ست

یعنی اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے، خم اور خم خانہ مہر ونشاں کے ساتھ ہے

اور رحمت الٰہی اب بھی ایسی ہے جیسے پہلے تھی، لہٰذا آج بھی ان علوم کو پڑھ کر وہ استعداد یں پیدا ہوسکتی ہیں اور غزالی ورازی جیسے رجال آج بھی امت میں پیدا ہوسکتے ہیں۔

ہمارا درس نظامی بہترین قابلیت کا ضامن ہے

ہمارے مدارس عربیہ کا درس نظامی یعنی نصاب مروج جس کو مولانا نظام الدین طوسی بغدادی نے مرتب کیا ہے۔انہوں نے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ کتابیں تو ہر فن میں کثیر در کثیر ہیں۔ سب کو درس کو طے کرنا کرانا تو بہت مشکل ہے۔لہٰذا ایسی تدبیر ہوکر اس نصاب کو پڑھ کر طالب علم کی استعداد ایسی کامل ہوجائے کہ جو کتابیں نہ بھی پڑھی ہوں تو ان کو بھی نکال سکے، اگر کوئی موقع ایسی نہ پڑھی ہوئی کتابوں کے پڑھانے کا آجائے تو ان کو بھی پڑھا سکے، چونکہ نصاب کے کتابوں کی انتخاب میں معلومات کی کثرت اور زیادتی کی بہ نسبت طالب علم کی کمال استعداد اور علمیت کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے، چنانچہ وہ اپنے اس نظریہ میں بفضلہٖ تعالیٰ پورے کامیاب ہیں۔

اسی لئے ہمارے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عربی کا طالب علم اس درس نظامی کو اوسط درجہ کی فہم واستعداد کے ساتھ بھی پڑھ لے تو عجیب وغریب استعداد اور بہترین قابلیت پیدا ہوجائے۔ ایسی قابلیت کہ پھر کوئی کہیں کا بھی ڈگری یافتہ ہو، برطانیہ کا ہو امریکہ کا ہو، یا لندن کا، کوئی بھی اس عربی طالب علم کے سامنے چل نہیں سکتا۔ (افادات مسیح الامت)

لہٰذا آپ درس نظامی میں مضبوطی کے ساتھ لگے رہیں اور برابر محنت اور جدو جہد کرتے رہیں، انشاء اللہ بہترین قابلیت پیدا ہوجائیگی، ہمارے اسلاف اسی نصاب کو پڑھ کر قابل بنے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَكُلَّمَا فَرَغْتُ مِنْ تَحْصِيْلِ كِتَابٍ شَرَعْتُ فِي تَدْرِيْسِهٖ فَحَصَلَ لِيَ الْإِسْتِعْدَادُ فِي جَمِيْعِ الْعُلُوْمِ بِعَوْنِ اللّٰهِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَلَمْ يَبْقَ تَعَسُّرٌ فِي اَيِّ كِتَابٍ كَانَ مِنْ اَيِّ فَنٍّ كَانَ حَتّٰى اَنِّي دَرَّسْتُ مَالَمْ اَقْرَأْهُ عَلٰى حَضْرَةِ الْاُسْتَاذِ كَشَرْحِ الْإِشَارَاتِ لِلطُّوْسِيِّ وَالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ وَقَانُوْنِ الطِّبِّ وَرَسَائِلَ الْعُرُوْضِ.

جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہوتا اس کو پڑھانا شروع کردیتا تمام علوم میں میری صلاحیت پختہ ہوتی گئی اللہ حی قیوم کی اعانت سے، مجھے کسی اور کتاب کے سمجھانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، خواہ کوئی سی کتاب ہو اور کسی بھی فن کی ہو، حتی کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابیں بھی میں نے پڑھادی جنہیں استاذ سے نہیں پڑھا تھا، مثلاً طوسی کی شرح اشارات افق مبین، طب میں قانون شیخ، اور عروض کے رسالے۔

(نفع المفتی والسائل)

تعلیم وتعلّم اور اس کے ظاہری آداب

علم کی حقیقی دولت جس پر قرآن وحدیث میں بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں، اس کو حاصل کرنے کے لئے ان اوصاف وآداب کا ہونا ناگزیر ہے جن کے ساتھ متصف ہوکر ہمارے اسلاف اپنی طالب علمی کی زندگی گذارتے تھے اور علوم نبوت کے بیش بہا خزانوں سے فیضیاب ہوتے تھے۔

وہ اوصاف وآداب دوطرح کے ہیں۔ کچھ ظاہری ہیں، کچھ باطنی ہیں، آئندہ سطروں میں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے تاکہ ہمارے

عزیز طلبہ ان پر عمل پیرا ہوکر اپنی طالب علمی کی زندگی کو کامیاب بنا سکیں ، ان اوصاف وآداب سے قطع نظر کر کے نہ حقیقی علم کی دولت حاصل ہوسکتی ہے، نہ اخلاقی حالت سنور سکتی ہے۔

پہلا ادب

طالب علم ۔ اور علم کی سچی طلب اور شوق

حقیقی علم کی دولت حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلا ادب اور اولین شرط علم کی سچی طلب اور شوق ہے، جب تک سچی طلب پیدا نہ ہو اور علم کی دھن نہ لگے، علم کے پیچھے دیوانگی اور پروانہ وار وارفتگی کی کیفیت پیدا نہ ہو علم کا حصول نہیں ہوسکتا، نری تمناؤں اور آرزوؤں سے کام نہیں بنتا، طلب صادق ضروری ہے، اسی لئے حصول علم کیلئے طلب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کسب کا لفظ نہیں ہے، طلب کا مفہوم اور ہے کسب کا مفہوم اور ہے۔

طالب کے معنی یہ ہے کہ کام کی دل میں فکر ہو، بے فکری اور طلب دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، اس لئے دل میں فکر ولگن اور دھن ہو، ادھیڑ بن سی لگ جائے، جب تک مقصود حاصل نہ ہو برابر اس کی جستجو کرتا رہے۔

چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ''مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ'' جو علم کی طلب میں نکلا تو وہ جب تک کہ واپس نہ آجائے اللہ کے راستے میں ہے ۔ اور علم حاصل کرنے والے کو ''طالب علم'' سے موسوم کیا گیا پس فرمایا ''مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ'' ۔

طالب کسے کہتے ہیں؟ طالب کا مفہوم ہے علم کی طلب اور جستجو کرنے والا شئی مطلوب میں انہماک تام رکھنے والا، علم کے علاوہ تمام چیزوں سے علیحدہ اور

یکسو ہوکر اسی دھن میں لگا ہوا، مطلب اور دھن ایسی جیسے پیاس سے سسکنے والے کو پانی سے ہوتی ہے اور بھوک سے بیتاب ہوکر تڑپنے والے کو کھانے سے ہوتی ہے، کھانے اور پینے کے علاوہ سے ان کو کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا، اس کے علاوہ کوئی چیز اچھی ہی نہیں لگتی، ایسی ہی طلب اور دھن اس طالب کو علم سے لگی ہو، محض آرزوئیں نہ ہوں۔

اسی لئے محققین کا قول ہے۔

لَوْ كَانَ هٰذَا الْعِلْمُ يُدْرَكُ بِالْمُنٰى ☆ مَاكَانَ يَبْقٰى فِي الْبَرِيَّةِ جَاهِلُ

اگر یہ دولت علم محض تمناؤں اور آرزوؤں سے حاصل ہوجایا کرتی تو مخلوق میں کوئی جاہل نہ رہتا، ہرایک علم کی دولت کو سمیٹ لیتا، لیکن ایسا ہرگز نہیں، اس کیلئے سچی طلب کے ساتھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

علم کی طلب اور تلاش میں اس طالب کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے اس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی قیمتی اور محبوب شی کے گم ہوجانے پر اس کی تلاش میں گلی درگلی کوچہ درکوچہ گھومتا ہے۔ ساری چیزوں سے بالکلیہ بیزار ہوکر اسی کی دھن میں حیران وسرگرداں ہوتا ہے، جب تک اسے پا نہ لے چین نہیں لیتا، ایسی ہی کیفیت اس طالب کی ہے، تحصیل علم میں لگا ہوا ہے، ہروقت ہاتھ میں کتاب ہے، چرچا ہے تو علم کا کتاب کا، سوچ ہے تو علم کی، مجلسیں ہیں تو علم کی، دوستی ہے تو علم سے، اس کے علاوہ میں اس کا جی ہی نہیں لگتا۔

چنانچہ حدیث میں فرمایا:

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ احَقُّ بِهَا (رواۃ الترمذی وابن ماجہ)	حکمت ودانائی حکیم کی گمشدہ چیز ہے، لہٰذا جہاں بھی وہ پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

حقیقی طالب کبھی سیر نہیں ہوتا

اور اس طرح علم کی طلب وجستجو کرتے کرتے علم کا یہ طالب جوں جوں ترقی کرتا رہتا ہے۔ یونہی اس کی پیاس بڑھتی جاتی ہے، کسی مقام پر سیرابی نہیں ہوتی بلکہ اندر سے "ھل من مزید "ہی کی صدا آتی رہتی ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا:

مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَ مَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا (مشكوٰة)	دو بھوکے اور حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک تو علم کی حرص اور بھوک رکھنے والا کہ وہ اس سے

کبھی سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کی حرص اور بھوک رکھنے والا کہ وہ اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا،

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے راوی ابو سعید خدری ہیں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةُ (رواۃ الترمذی)	مومن کا پیٹ خیر کی یعنی علم کی بات سننے سے کبھی نہیں بھرتا یہاں تک کہ جنت ہی اسکا منتہا ہوتی ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی بھوک اور علم سے عدم سیرابی ایمان کے لوازمات اور مومن کے اوصاف میں سے ہے اور جنت میں داخل ہونے تک مومن کا علم کے ساتھ یہی معاملہ رہتا ہے۔

(العلم والعلماء)

اسی مضمون کو شاعر بیان کرتا ہے ؎

مکتب عشق کا انداز نرالا دیکھا ☆ اسکو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

ہمارے اسلاف اور علمی طلب وشوق

ہمارے اسلاف کی زندگی میں علمی طلب اور ذوق وشوق غالب تھا، ہر وقت علم کی طلب اور دھن لگی رہتی تھی، اسی طلب اور دھن کا نتیجہ تھا کہ علم کے اعلیٰ معیار پر پہنچے تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''اِنَّمَا اَطْلُبُ الْعِلْمَ اِلٰی اَنْ اَدْخُلَ الْقَبْرَ'' میں قبر میں داخل ہونے تک علم کی طلب وجستجو میں لگا رہوں گا۔

امام بخاریؒ سے کسی نے پوچھا آپ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ تو فرمایا، ہاں! خواہش یہ ہے کہ میرے استاذ علی بن مدینی حیات ہوتے اور میں ان کے پاس رہ کر علمی استفادہ کرتا۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں ابواسامہ فرماتے ہیں۔

مَارَئَیْتُ رَجُلًا اَطْلَبَ لِلْعِلْمِ فِی الْاٰفَاقِ مِنْ اِبْنِ الْمُبَارَکِ

میں نے عبداللہ ابن مبارک سے زیادہ کسی کو ملک در ملک گھوم کر علم کو طلب کرنے والا نہیں دیکھا۔ (آداب المتعلمین)

حافظ ابو عبداللہ اصفہانی ایک روز اپنے مقامات رحلت کی تفصیل بیان کرنے لگے کہ میں حدیث حاصل کرنے گیا ہوں، طوس، ہرات، بلخ، بخاریٰ، سمر قند، کرمان، نیشاپور، جرجان غرض اسی طرح ایک سو بیس مقامات کے نام لے ڈالے، میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ان کے نام مسلسل لئے جائیں تو سننے والے گھبرا جائیں گے، آفریں! اس باہمت جواں مرد پر جو اتنے مقامات کا سفر کرتے کرتے نہیں گھبرایا، یہ ان کے علمی ذوق وشوق کی زندہ مثال ہے۔

(ظفر المحصلین)

مکن زغصہ شکایت کہ در طریق طلب　　براحتے نہ رسید آنکہ زحمتے نہ کشید

مولانا نورالحسن صاحب کاندھلوی مشہور اکابر علماء میں ہیں، طلب علم کا ان کو اتنا شوق تھا کہ مفتی صدر الدین صاحب نے ان کی درخواست پر وقت نہ ہونے کا عذر کردیا، لیکن مولانا کے شدید اصرار پر مفتی صاحب نے یہ کہا کہ کچہری جاتے آتے وقت مل سکتا ہے، مولانا نے اسکو قبول فرمالیا اور جب مفتی صاحب پالکی میں کچہری تشریف لے جاتے تو مولانا پالکی کے ساتھ دوڑتے ہوئے سبق پڑھتے جاتے اور کچہری جانے پر مولانا وہیں انتظار میں بیٹھے رہتے ، جب واپس آتے تو واپسی میں بھی اسی طرح پالکی کے ساتھ دوڑتے ہوئے سبق پڑھتے جاتے، مفتی صاحب نے کئی مہینے جب اس شوق اور طلب کو دیکھا تو مستقل وقت تجویز کردیا، (آپ بیتی)

مولانا محمد یحییٰ صاحب کو علم کا بے انتہا شوق تھا، خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں، مگر مجھے علم کی دھن تھی، اس لئے میں وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کے لغات یاد کیا کرتا، والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کرتے تھے خوب وضو کی دعائیں پڑھی جارہی ہیں، شرم کی بات ہے۔ (تذکرۃ الخلیل)

امام ابو یوسفؒ اور علمی شوق وشغف

ابراہیم ابن الجراح کہتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف کے مرض وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے، تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھولیں، اور مجھے دیکھ کر فرمایا، ابراہیم! بتایئے حاجی کے لئے پیدل رمی کرنا افضل ہے یا سوار ہوکر؟ میں نے کہا پیدل افضل ہے، فرمایا نہیں، میں نے کہا پھر سوار ہوکر، فرمایا نہیں، پھر خود ہی اس کی وضاحت فرمائی۔

ابراہیم کہتے ہیں مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ابو یوسف ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں، اس کے

بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اندر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی، معلوم ہوا کہ ان کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (معارف السنن)

امام محمدؒ اور علمی طلب وشغف

امام محمدؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا انتقال کیسے ہوا؟ تو فرمایا کہ کتاب المکاتب کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا، اسی دوران جان نکل گئی، پوچھا کیا گذری؟ فرمایا کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا گیا کہ اے محمد! اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم تمہارے سینے میں نہ رکھتے۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مجھے اپنے والد ماجد سے تیس ہزار درہم ترکہ میں ملے تھے۔ جس میں سے نصف تو میں نے لغت نحو اور شعر کی تحصیل میں صرف کئے اور پندرہ ہزار فقہ اور حدیث کی طلب میں خرچ کئے۔

(امداد الباری بحوالہ کتاب الانساب للسمعانی)

امام شافعیؒ اور علمی طلب وشوق

امام مزنی فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا گیا، كَيْفَ شَهْوَتُكَ لِلْعِلْمِ؟ علم کے ساتھ تمہارا اشتہا اور چاہت کیسی ہے؟ تو فرمایا جب علم کی کوئی نئی بات میں سنتا ہوں تو میرے کان ایسے لطف اندوز ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر دیگر اعضاء بھی یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ کاش ان کے بھی کان ہوتے اور یہ تلذذ حاصل ہوتا، پوچھا گیا فَكَيْفَ حِرْصُكَ عَلَيْهِ؟ علم پر تمہاری حرص کیسی ہے؟ تو فرمایا "حِرْصُ الْجَمُوْعِ الْمَنُوْعِ فِيْ بُلُوْغِ لَذَّتِهِ لِلْمَالِ" یعنی بہت زیادہ مال جمع کرنے والے بخیل کی مال کو حاصل کرنے میں جو حرص ہوتی ہے،

پوچھا گیا فَكَيْفَ طَلَبُکَ لَهٗ علم کیلئے تمہاری طلب وجستجو کیسی ہے؟ تو فرمایا "طَلَبُ الْمَرْأَةِ الْمُضِلَّةِ وَلَدَهَا لَيْسَ لَهَا غَيْرُهٗ" یعنی اس عورت جیسی طلب جس کا صرف اکلوتا لڑکا ہو اور وہ گم ہوجائے، جس کے فراق میں یہ حیران وسرگرداں پھرتی رہے۔ (اخلاق العلماء)

علامہ انورشاہ کشمیری اور علمی طلب وشغف

حضرت علامہ انورشاہ کشمیری کی شخصیت سے کون ناواقف ہے، علمی حلقے کی ایک ممتاز اور علم کی ایک بحر ذخار شخصیت تھی، حضرت کی علمی طلب اور دلچسپی کا یہ حال تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں مرض الوفات میں جب ہاتھ ہلانے کی بھی طاقت نہ رہی تو کروٹ پر لیٹتے اور سامنے کرسی پر کتاب کھلی ہوئی کھڑی رہتی، جب پورا صفحہ مطالعہ فرمالیتے تو کسی کی طرف ورق پلٹنے کے لئے اشارہ کرتے، وہ ورق پلٹ دیتا، اور حضرت اس کے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے۔

حضرت مولانا اعزازعلی اور علمی ذوق وشوق

شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ کو کتب بینی سے اتنا شغف تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی سرہانے کتابیں رکھی رہتیں اور فرماتے میری بیماری کا علاج ہی کتب بینی ہے، اپنے اس علمی شوق وشغف کو ان اشعار میں ظاہر فرماتے ہیں۔

رَئَيْتُهُمْ عَدُوِّیْ فِی الْبَلَايَا وَاَحْبَابِی اِذَا اَنَا ذُوْيَسَارٍ

وَلٰكِنَّ الْكِتَابَ كِتَابُ عِلْمٍ سَمِيْرِیْ فِی اللَّيَالِی وَالنَّهَارِ

يُؤَانِسُنِی اِذَا هَجَمَتْ هُمُوْمِیْ وَيُوْنِسُنِیْ اِذَا اَنَا فِی الدِّمَارِ

ترجمہ: میں نے لوگوں کو مصیبتوں کے زمانے میں اپنا دشمن اور مالداری کے زمانے میں دوست پایا ہے، لیکن علمی کتاب میرا شب وروز کا دمساز اور ہمراز ہے، جب مجھ پر اچانک رنج وغم آپڑیں، تو میری غمخواری کرتی ہے اور جب میں ہلاکت میں پھنس جاؤں تو تسلی دیتی ہے۔

دوسرا ادب

طالب علم اور وقت کی قدر واہمیت

طالبان علوم نبوت کیلئے خصوصاً اپنے دور طالب علمی میں اوقات کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ وقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں ایک گرانقدر نعمت ہے، پگھلتے برف کی طرح آناً فاناً گذرتا رہتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے تیزی کے ساتھ مہینے اور سال گذر جاتے ہیں۔

صبح ہوئی شام ہوئی عمر یونہی تمام ہوئی

پس وقت کی قدردانی بہت ضروری ہے، وقت کو صحیح استعمال کرنا، بیکار اور فضول ضائع ہونے سے بچانا از حد ضروری ہے، وقت کو فضول ضائع کردینے پر بعد میں جو حسرت و پچھتاوا ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ سوائے ندامت کے اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ جو لمحہ اور گھڑی ہاتھ سے نکل گئی وہ دوبارہ ہاتھ میں نہیں آسکتی، لہٰذا عقلمندی کا کام یہ ہے کہ آغاز ہی میں انجام پر نظر رکھے، تاکہ حسرت و پچھتاوے کی نوبت نہ آئے۔

ہے وہ عاقل جو کہ آغاز میں سوچے انجام
ورنہ ناداں بھی سمجھ جاتا ہے کھوتے کھوتے

حدیث میں ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہو مگر یہ کہ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! میں ایک نو پید مخلوق ہوں، میں تیرے عمل پر

شاہد ہوں، مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہوتو کرلے، میں قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ دنیا کی تمام چیزیں ضائع ہوجانے کے بعد واپس آسکتی ہیں۔ لیکن ضائع شدہ وقت واپس نہیں آسکتا۔

کہنے والے نے صحیح کہا ہے ''اَلْوَقْتُ اَثْمَنُ مِنَ الذَّهَبِ' 'وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

حَيَاتُكَ اَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَكُلَّمَا مَضٰى نَفَسٌ مِنْهَا انْقَضَتْ بِهٖ جُزْءٌ

تیری زندگی چند محدود گھڑیوں کا نام ہے، ان میں سے جو گھڑی گذر جاتی ہے، اتنا حصہ زندگی کا کم ہوجاتا ہے۔

لہٰذا وقت کی پوری نگہداشت کرنا چاہیئے، کھیل کود میں خرافات میں، ادھر ادھر کی باتوں میں اور لغویات میں قیمتی اوقات کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ'' آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے۔

اس حدیث میں لطیف پیرایہ میں اضاعت اوقات سے ممانعت اور حفاظت اوقات کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی ہر ایسے قول و عمل اور فعل و حرکت سے احتراز کرے جس سے اس کا خاطر خواہ اور معتد بہ دینی یا دینوی فائدہ نہ ہو۔

وقت ایک عظیم نعمت ہے

وقت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ قیمتی سرمایہ ہے۔ اس کی ایک ایک گھڑی اور ہر سکنڈ اور منٹ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، لیکن آج ہم وقت کی کوئی قدر نہیں کرتے کہ یونہی فضول باتوں میں اور لغو کاموں میں ضائع کردیتے ہیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ایک برف فروش سے مجھ کو بہت عبرت ہوئی، وہ کہتا جارہا تھا کہ اے لوگو! مجھ پر رحم کرو، میرے پاس ایسا سرمایہ ہے جو ہر لمحہ تھوڑا

تھوڑا ختم ہوجاتا ہے۔ اس طرح ہماری بھی حالت ہے کہ ہر لمحہ برف کی طرح تھوڑی تھوڑی عمر ختم ہوتی جاتی ہے۔اسے پگھلنے سے پہلے جلدی بیچنے کی فکر کرو۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ کے پاس ایک طالب علم نے آکر کھیل کے متعلق سوال کیا، حضرت نے فرمایا کیوں کھیلتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ وقت پاس کرنے کو کھیلتے ہیں، اس پر فرمایا کہ وقت پاس کرنے کیلئے یہاں آجایا کریں، وقت گذارنے کا طریقہ بتلادوں گا۔ کتاب دیدونگا کہ یہاں سے یہاں تک یاد کر کے سنائیں، اس کے بعد فرمایا وقت حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اسے غبار سمجھ کر پھینک دینا بڑی ناقدری ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے اشرفیوں کا ڈھیر کسی کے سامنے ہو اور وہ ایک ایک اٹھا کر پھینکتا رہے۔ ؎

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے ☆ یہ جز رومد جواہر کی لڑی ہے

ہمارے اسلاف اور حفظ اوقات

ہمارے اسلاف کی زندگی میں اوقات کی اہمیت اور قدردانی نمایاں طریقہ پر تھی، کوئی گھڑی اور لمحہ ضائع نہیں ہوتا تھا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو اعلیٰ درجۂ کمال پر پہنچایا تھا۔

امام محمد علیہ الرحمہ کے حالات میں لکھا ہے کہ دن ورات کتابیں لکھتے رہتے تھے۔ ایک ہزار تک ان کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ اپنے تصنیف کے کمرے میں کتابوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھے رہتے تھے۔ مشغولیت اس درجہ تھی کہ کھانے اور کپڑے کا بھی ہوش نہ تھا۔ (انوار الباری)

حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی جو مطالعہ گاہ تھی، اس کے تین دروازے تھے، ان کے والد نے تینوں دروازوں پر جوتے رکھوائے تھے تاکہ اگر ضرورت کے لئے باہر جانا پڑے تو جوتے کیلئے ایک منٹ، آدھا منٹ ضائع نہ ہو۔

حضرت علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری اپنی طالب علمی کے زمانے میں صرف روٹی لیتے تھے، سالن نہ لیتے تھے، روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے، جب موقع ہوتا کھا لیتے اور فرماتے روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے۔

شیخ جمال الدین قاسمیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے۔ سفر میں ہو، یا حضر میں، گھر میں ہو یا مسجد میں، مسلسل مطالعہ اور تالیف کا کام جاری رکھتے تھے، سوانح نگاروں نے لکھا ہے۔

مَضٰی رَحِمَہُ اللّٰہ یَکْتُبُ دُوْنَ اِنْقِطَاعٍ فِی اللَّیْلِ وَفِی النَّهَارِ، وَفِی الْقِطَارِ، وَفِی النُّزْهَةِ،فِی الْعَرَبَةِ فِی الْمَسْجِدِ، فِی سُدَّتِهٖ فِی بَیْتِهٖ، وَاَظُنُّ اَنَّ الطَّرِیْقَ وَحْدَہٗ هُوَالَّذِیْ خَلَامِنْ قَلَمِهٖ وَقَدْ کَانَ فِی جَیْبِهٖ دَفْتَرٌ صَغِیْرٌ وَقَلَمٌ، یُقَیِّدُ الْفِکْرَةَ الشَّارِدَةَ.

یعنی اللہ ان پر رحم فرمائے ہر وقت لکھتے رہتے تھے، کیا دن، کیا رات، کیا سفر کیا حضر، کیا مسجد، کیا گھر، میرا خیال تو یہ ہے کہ سوائے دوران رفتار کے کسی اور وقت ان کے قلم کو قرار نہیں تھا۔ ان کے جیب میں ایک نوٹ بک اور قلم پڑا رہتا تھا، جس کے ذریعہ وہ اپنے منتشر افکار کو محفوظ کر لیتے تھے

جو لوگ بازاروں میں، چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے تھے، ان کو دیکھ کر حسرت فرماتے اور عجیب بات فرماتے، تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔

وَقَدْتَحَسَّرَمَرَّةً وَهُوَ وَاقِفٌ اَمَامَ مَقْهٰی قَدِامْتَلَا بِاُنَاسٍ فَارِغِیْنَ یُضَیِّعُوْنَ الْوَقْتَ فِی اللَّهْوِ وَالتَّسْلِیَةِ فَقَالَ لِبَعْضِ مُحِبِّیْهِ آہ!کَمْ اَتَمَنّٰی اَنْ یَّکُوْنَ الْوَقْتُ مِمَّا یُبَاعُ لَاشْتَرِیْ مِنْ هٰؤُلَاءِ جَمِیْعًا اَوْقَاتَهُمْ.

ایک دفعہ وہ قہوہ خانے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے، جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ لوگ لایعنی اور ٹھٹھے میں مشغول تھے، نہایت حسرت کیساتھ اپنے ایک ساتھی سے فرمایا آہ! جی یوں چاہتا ہے کہ وقت کوئی ایسی شئ ہوتی جو بیچی خریدی جا سکتی تو میں ان سب لوگوں کے اوقات کو خرید لیتا۔ (اقوال سلف)

حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ کے یہاں بھی حفاظت اوقات کا بڑا اہتمام تھا، حتیٰ کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، چوبیس گھنٹے کی زندگی مشین کی طرح متحرک رہتی تھی۔ کوئی وقت بھی بیکار نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ مغرب کے بعد ایک طالب علم حاضر خدمت ہوئے حضرت اس وقت کھانا تناول فرمارہے تھے، وہ سلام کر کے خاموش گردن جھکا کر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا نور اللہ! کیا خاموش بیٹھے ہو؟ عرض کیا جی نہیں حضرت! قرآن شریف پڑھ رہا ہوں تو فرمایا ہاں! وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

مولائی و سیدی حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم کے یہاں بھی احقر نے اوقات کا بڑا اہتمام دیکھا، ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغولی ہے۔

ماہ مبارک کا آخری عشرہ تھا، علالت و آپریشن کے سبب ضعف بہت تھا اس لئے ایک دو آدمی کے سہارے چلتے پھرتے تھے، چنانچہ افطار کے وقت اپنے معتکف سے مسجد کے صحن میں عام دسترخوان پر ایک صاحب کے سہارے تشریف لائے، غروب قریب تھا، حضرت نے فرمایا کتنا وقت باقی ہے؟ کہا گیا دو منٹ، تو فرمایا بھائی پہلے بتادیتے۔ اگر ایک منٹ بھی ہوتا تو کچھ کام کر لیتے، اللہ اکبر یہ ہے اکابر کے یہاں اوقات کی قدر دانی۔

امام رازیؒ اور حفظ اوقات

امام رازیؒ کے نزدیک اوقات کی اہمیت اس درجہ تھی کہ ان کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔

چنانچہ فرمایا کرتے تھے۔ ''وَاللّٰهِ اِنِّی اَتَاَسَّفُ فِی الْفُوَاتِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ فِی وَقْتِ الْاَکْلِ فَاِنَّ الْوَقْتَ وَالزَّمَانَ عَزِیْزٌ'' یعنی خدا کی قسم! مجھ کو

کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ وقت متاع عزیز ہے۔ ؎

در بزم وصال تو بہنگام تماشا   نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

وقت کی قدردانی نے ان کو منطق و فلسفہ کا ایسا زبردست امام بنایا کہ دنیا ان کی امامت کو تسلیم کرتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور حفظ اوقات

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حالات میں آتا ہے کہ وہ وقت کے بڑے قدردان تھے۔ ان کے اوقات معمور رہتے تھے۔ کسی وقت خالی نہ بیٹھتے تھے۔

تین مشغلوں میں سے کسی نہ کسی میں ضرور مصروف رہتے تھے، مطالعۂ کتب یا تصنیف و تالیف، یا عبادت۔ (بستان المحدثین)

حتی کہ جب تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوتے اور درمیان میں قلم کا نوک خراب ہوجاتا تو اس کو درست کرنے کیلئے ایک دومنٹ کا جو وقفہ رہتا، اس کو بھی ضائع نہ کرتے، ذکر الٰہی زبان پر جاری رہتا اور نوک درست فرماتے اور فرماتے وقت کا اتنا حصہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حفظ اوقات

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نہایت منتظم المزاج اور اصول و ضوابط کے پابند تھے۔ وقت کے لمحات ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے تمام اوقات مقرر تھے، جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وقت میں برکت بھی بڑی عطا فرمائی تھی۔

خود فرماتے ہیں کہ مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے۔ جو اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے، میں ایک لمحہ بھی بیکار رہنا

برداشت نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ میرے استاذ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی تھانہ بھون تشریف لائے ، میں نے ان کے قیام اور راحت رسانی کے تمام انتظامات کئے، جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں۔ اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہوجاؤں ، گو میرا دل اس روز کچھ لکھنے میں لگا نہیں۔ لیکن ناغہ نہیں ہونے دیا کہ بے برکتی نہ ہو۔ تھوڑا سا لکھ کر جلد حاضر خدمت ہوگیا۔ حضرت کو تعجب بھی ہوا کہ اس قدر جلد آگئے ،عرض کیا حضرت ! چند سطریں لکھ لیں معمول پورا ہوگیا۔

(ملفوظات حکیم الامت)

شیخ الحدیث مولانا زکریا اور حفظ اوقات

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے متعلق صاحب آداب المتعلمین تحریر فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ سے صرف ایک وقت دوپہر کو کھانا کھاتے، شام کو کھانا تناول نہیں فرماتے، کہتے ہیں کہ میں نے متعدد بار حضرت سے سنا کہ میری ایک مشفق ہمشیرہ تھی۔ میں شام کو مطالعہ میں مصروف ہوتا تھا تو وہ لقمہ میرے منہ میں دیا کرتی تھی۔ اس طرح مطالعہ کا حرج نہ ہوتا تھا۔ لیکن جب سے ان کا انتقال ہوگیا۔ اب کوئی میری اتنی ناز برداری کرنے والا نہیں رہا اور مجھے اپنی کتابوں کا نقصان گوارہ نہیں، اس لئے شام کا کھانا ہی ترک کردیا۔

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ اور حفظ اوقات

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپؒ کو بہت ہی کم عمری میں تعلیم کا بہت شوق تھا۔ عام لڑکوں کیطرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے اور نہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرنا پسند کرتے تھے۔ جب تک

فقہ اور حدیث کی کتابیں شروع نہیں کیں تو صحابۂ کرام کے تذکرے اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی اس سلسلہ کی جو کتابیں ملتیں بڑے ہی ذوق وشوق اور جذب وکیف سے پڑھتے ، کتاب ''محاربات اسلام'' جس میں صحابۂ کرام کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے، بچپن ہی سے بڑے اشتیاق سے پڑھا کرتے تھے۔ جب فقہ اور حدیث کی تعلیم شروع کی تو اس مبارک علم میں پوری طرح مشغول ہوگئے۔ دن کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوتا جس میں خالی بیٹھتے اور کوئی کتاب ہاتھ میں نہ ہوتی ہو، وہ کسی ایسے کام کو پسند نہ کرتے تھے جو تعلیم میں کسی طرح مخل ہو۔ (سوانح مولانا یوسف صاحب)

وقت میں عجیب برکت اور اس کے مثالی واقعات

انضباط اوقات سے وقت میں عجیب برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے اسلاف واکابر کی زندگی میں برکت کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ تھوڑے سے عرصہ میں انہوں نے محیر العقول کارنامے انجام دئے ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ میری پہلی تصنیف اس وقت ہوئی ہے جب میری عمر تقریباً تیرہ برس کی تھی۔ آپ کے پوتے ابوالمظفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا سے آخری عمر میں برسر منبر یہ کہتے سنا ہے کہ میری ان انگلیوں نے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے توبہ کی ہے اور بیس ہزار یہود ونصاریٰ مسلمان ہوئے ہیں، علامہ موصوف کی تصانیف کو دیکھ کر علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی عالم نے ایسی تصنیفات کیں جیسی آپ نے کیں، جن قلموں سے شیخ نے حدیث شریف کی کتابیں لکھی تھی، ان کا تراشہ جمع کرتے گئے تھے۔ جب وہ وفات پانے لگے تو وصیت کی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا جائے چنانچہ جس پانی سے ان کو غسل دیا گیا اس کے نیچے وہی

پاک ایندھن جلایا گیا تھا۔

عام حالت میں بسر کی زندگی تو نے تو کیا
کچھ تو ایسا کر کہ عالم بھر میں افسانہ رہے

ابن جریر طبری کے حالات میں صاحب البدایہ والنہایہ نے لکھا ہے ”رُوِیَ عَنْہُ اِنَّہٗ مَکَثَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً یَکْتُبُ وَ کُلَّ یَوْمٍ یَکْتُبُ اَرْبَعِیْنَ وَرَقَۃً“ کہ وہ مسلسل چالیس سال تک لکھتے رہے اور روزانہ چالیس ورق لکھتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ)

درس نظامی کی مشہور اور معروف کتاب ”تفسیر جلالین شریف“ کو اس کے مصنف علامہ سیوطی نے بیس بائیس سال کی عمر میں بہت قلیل مدت میں یعنی صرف چالیس روز میں لکھی ہے اور آج پورے سال میں بڑی مشکل سے پڑھی جاتی ہے۔

علامہ نووی نے بستان میں ایک معتمد شخص سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام غزالی کی تصانیف اور ان کی عمر کا حساب لگایا تو روزانہ اوسط چار کراسہ پڑا، کراسہ چار صفحوں کا ہوتا ہے یعنی سولہ صفحے روزانہ ہوئے، اور علامہ طبری، ابن جوزی اور علامہ سیوطی کی تصنیفات کا روزانہ اوسط اس سے بھی زیادہ ہے۔

(ظفر المحصلین)

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب فرنگی محلی کے حالات میں ہے کہ عنفوان شباب کی سترہ سالہ عمر ہی میں تحصیل علوم سے فراغت پا کر مسند درس پر فائز ہو گئے تھے اور ہر فن میں کامل دسترس رکھتے تھے، علم حدیث ہو کہ علم اسناد و رجال، علم تفسیر ہو کہ علم فقہ و فتاویٰ، فلسفہ ہو کہ ریاضی و ہیئت ان تمام علوم میں آپ کی بیش بہا تصانیف کا ذخیرہ موجود ہیں جن کی تعداد بقول شیخ ابوالفتاح ابوغدہ کے ایک سو بیس ہے اور آپ کی عمر صرف انتالیس سال ہے، اتنی قلیل عمر میں دوسرے مشاغل کے ساتھ اس قدر تصانیف عطیۂ خداوندی ہے، آپ کے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ اگر

آپ کی تصانیف کے صفحات کو آپ کے ایام زندگی پر تقسیم کیا جاوے تو صفحات کتب ایام زندگی پر فوقیت لے جائیں گے۔ (ملخص از نفع المفتی والسائل)

بلوغ کے بعد سے آپ کی زندگی پر تصانیف کو تقسیم کا اندازہ لگایا گیا تو ہر دو ماہ اور بارہ تیرہ روز پر ایک تصنیف ہوتی ہے جب کہ ہر تصنیف کا اوسط ایک سو اٹھارہ صفحات سے زیادہ نکلتا ہے۔

ایک جگہ شیخ جمال الدینؒ اپنا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَقَدْ اتَّفَقَ لِي بِحَمْدِهٖ تَعَالٰى قِرَاءَةَ صَحِيْحِ مُسْلِمْ بِتَمَامِهٖ رِوَايَةً وَدَرَايَةً فِي اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا وَقِرَأةَ سُنَنِ اِبْنِ مَاجَه كَذٰلِكَ فِي وَاحِدٍ وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا وَقِرَأةَ الْمُوَطَّا كَذٰلِكَ فِي تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَتَقْرِيْبَ التَّهْذِيْبِ مَعَ تَصْحِيْحِ سَهْوِ الْقَلَمِ فِيْهِ وَتَحْشِيَتِهٖ فِي نَحْوِ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَدَعْ عَنْكَ الْكَسَلَ وَاحْرِصْ عَلٰى عَزِيْزِ وَقْتِكَ بِدَرْسِ الْعِلْمِ وَاِحْسَانِ الْعَمَلِ.

یعنی اللہ کے فضل سے مجھے یہ توفیق ملی کہ میں نے پوری صحیح مسلم روایۃ اور درایۃ صرف چالیس دن میں پڑھ لی، اسی طرح سنن ابن ماجہ ایکس دن میں، امام مالک کی مؤطا انیس دن میں پڑھ لی، اسی طرح تقریب التہذیب دس روز میں پڑھ ڈالی ہے، جبکہ دوران مطالعہ اس کی قلمی غلطیوں کو درست بھی کیا اور حاشیہ بھی ساتھ ساتھ لکھتا گیا، پس اے طلبہ! میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ سستی اور کاہلی ترک کردو اور اپنے اوقات عزیز کو حصول علم اور حسنِ عمل کی محنتوں میں کھپاؤ۔ (اقوال سلف)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہے؟ آپ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں نابغۂ روزگار بنایا تھا، آپ سے جتنا کام لیا گیا بہت کم لوگوں سے لیا گیا ہوگا، ایک ہزار کے قریب آپ کی تصانیف ہیں، آپکے

زبردست کارناموں کو دیکھ کر بسا اوقات یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ ایسے کارنامے کسی ایک فرد کے نہیں بلکہ کسی بڑے ادارے یا اکیڈمی کے ہیں ۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا فرزانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ ماضی قریب میں اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے کاموں میں جو برکت عطا فرمائی ہے، اس کی مثال قرون اولی میں بھی خال خال ہی نظر آتی ہے، فقہ وفتاوی ہو یا علوم تفسیر، اسرار وحکم ہو یا آداب معاشرت، شرح حدیث ہو یا سلوک وتصوف، علم کا کونسا گوشہ ایسا ہے جس میں آنحضرت نے کتابوں کے انبار نہیں لگادیئے مواعظ وملفوظات کا تو اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ عمر نوح چاہئے اس کی سرسری سیر ہی کیلئے ۔

وقت میں عجیب برکت تھی، ایک رسالہ ہے، ''الابتلاء'' سولہ صفحوں کا تین گھنٹے میں ایک جلسہ میں لکھا ہے جس کی جامعیت حیرت انگیز ہے۔

ایک تقریر بحیثیت صدر مدرس میرٹھ کے ایک جلسہ میں کی تھی بتیس صفحات پر ہے جو''دعاء الامت وبداۃ الملت '' کے نام سے شائع ہوئی ہے، وہ صرف پانچ گھنٹے میں لکھی گئی ہے۔

فرمایا کہ مکہ معظمہ میں حضرت مرشدی حاجی امداد اللہ صاحب کے حکم سے کتاب ''تنویر'' کا ترجمہ لکھا کرتا تھا، وہ حضرت کو سنا بھی دیتا تھا، ایک بار حسب معمول سنایا تو حضرت نے دریافت فرمایا کتنی دیر میں لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنے وقت میں لکھا ہے تو فرمایا کہ اتنے سے وقت میں کوئی بھی اتنا مضمون نہیں لکھ سکتا اور بہت دعائیں دیں۔

تیسرا ادب

طالب علم اور علمی محنت اور جدو جہد

طالبان علوم نبوت جو علم کی دولت سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں ان کیلئے لازم ہے کہ علم کیلئے محنت اور جدو جہد کریں، اس کے بغیر یہ دولت میسر نہیں آسکتی کیونکہ کوئی کام بغیر محنت کے مثمر اور بارآور نہیں ہوسکتا۔

یہ مسلمہ اصول اور قانون الٰہی ہے کہ جب صحیح ترتیب کے ساتھ محنت ہوتی ہے تو خاطر خواہ نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

ارشاد باری عزاسمہ ہے ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' جو لوگ ہماری راہ میں جدو جہد کریں گے ہم انہیں اپنی راہیں سمجھادیں گے، محنت کے بعد ہر راہ ملجاتی ہے۔ ہر کام سہل ہوجاتا ہے۔

اَلْجَدُّ یُدْنِی کُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ وَالْجَدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

کوشش اور محنت سے آدمی ہر مشکل کام کو انجام دے لیتا ہے اور کوشش سے بند دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

مشہور مقولہ ہے ''مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَجَدَّ وَجَدَ'' جو شخص کسی چیز کا طالب ہے اور اس کیلئے کوشش بھی کررہا ہے تو اپنی کوشش کے مطابق ضرور اس کو پالے گا۔

شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

چوں شمع ازپئے علم باید گداخت که بے علم نتواں خدارا شناخت

علم ایسی عظیم دولت ہے کہ اس کے بغیر خدا کی معرفت ممکن نہیں، لہٰذا ایسی عظیم دولت کا حق یہ ہے کہ اس کیلئے موم بتی کی طرح پگھلا جائے اور انتھک محنت کی جائے۔

جب آدمی ایک معمولی چیز کو حاصل کرنے میں شب و روز حیران و سرگرداں

رہتا ہے، تو پھر ایسا عظیم سرمایہ جس میں دونوں جہاں کی عزت اور کامیابی کا راز مضمر ہے، یہ بغیر محنت کے کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

عَلَى الْمَرْءِ اَنْ يَسْعٰى لِمَافِيْهِ نَفْعُهٗ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُسَاعِدَهُ الدَّهْرُ

آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفع کی چیز میں کوشاں رہے اس کیلئے زمانہ کا سازگار ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ ناموافق حالات میں بھی اس کے پیچھے لگے رہنا چاہئے، اسی سے اس کے اندر کے پوشیدہ جواہر کھلتے ہیں اور مخفی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔

اقبال نے خوب کہا ہے ؎

بے محنت پیہم کوئی جوہر کھلتا ہی نہیں روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

کیا فیضان علم کا معیار ذہانت وقابلیت ہے؟

اللہ تعالیٰ جب علم کی دولت کسی کو دینا چاہتے ہیں تو ذہانت وصلاحیت کو نہیں دیکھتے، بلکہ جب انہیں نوازنا ہوتا ہے تو صلاحیت خود ہی پیدا کردیتے ہیں۔ ؎

دادِ ویرا قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد دیست

وہاں تو طلب، لگن اور محنت کو دیکھا جاتا ہے، آدمی جتنی لگن کے ساتھ محنت کرتا ہے اور علم کی دھن پیدا کرکے لگا رہتا ہے اسی کے بقدر یہ دولت اسے ملتی ہے، چاہے کند ذہن، غبی اور کمزور ہی کیوں نہ ہو، اس کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔

ارشاد باری عزاسمہ ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْعَامِلِيْنَ

کام کرنے والوں کی محنت کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتے۔

ہمارے اسلاف کے ایسے بیسیوں واقعات ہیں کہ طالبعلمی کے زمانہ میں کمزور اور کند ذہن تھے، لیکن کام میں لگے رہے، ہمت نہیں ہارے تو اللہ تعالیٰ نے

ان کو ایسا نوازا کہ دنیا آج ان کے علوم سے فیض اٹھا رہی ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی شخصیت سے کون ناواقف ہے، آپ کے بارے میں خود آپ کے جلیل القدر استاذ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا تھا کہ ابو یوسف! تم تو بہت کند ذہن تھے مگر تمہاری کوشش اور مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔ (تعلیم المتعلم)

بعد میں اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا کیا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے، امام محمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسف ایسے شدید بیمار ہوئے کہ مرض الموت کا اندیشہ ہونے لگا، تو امام صاحب عیادت کیلئے گئے ہم بھی ساتھ تھے، جب عیادت کر کے واپس لوٹے تو امام صاحب نے اپنے ہاتھ ان کی چوکھٹ پر مار کر فرمایا اگر یہ نوجوان مرگیا تو بڑ خلاء ہو جائے گا کیونکہ ....زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اس پر بسنے والوں میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہے، یہ اسی محنت وجدوجہد کا نتیجہ تھا۔ (اخلاق العلماء)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اپنے والد حضرت مولانا یحییٰ صاحب کا یہ مقولہ بارہا نقل فرماتے تھے کہ آدمی چاہے کتنا ہی غبی ہو، لیکن اگر یکسوئی کا خوگر ہو کر کام میں لگا رہا تو کام کا بن جائیگا، لہٰذا طالب علم کو ہر وقت ہمیشہ کوشش ومحنت میں لگے رہنا چاہیئے، اس لئے کہ کوشش اور محنت ہی سے آدمی بلندی کے مراتب طے کر سکتا ہے۔

ایک شاعر نے خوب کہا ہے ۔

بِقَدْرِ الْکَدِّتُکْتَسَبُ الْمَعَالِی مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَھِرَ اللَّیَالِی

تَرُوْمُ الْعِزَّثُمَّ تَنَامُ لَیْلاً یَغُوْصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللّاٰلِی

ترجمہ۔ انسان بلند درجات پر اپنی کوشش کے مطابق پہنچ سکتا ہے، جو بلندی کے درجات تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کا پہلا فرض ہے راتوں کو جاگنا، یہ تو عجیب بات ہے کہ خواہش تو عزت وترقی کی ہو اور راتین نیند میں گذر جائیں۔

کیانہیں دیکھتے جسے موتیوں کی تلاش ہوتی ہے، وہ دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

امام طحاویؒ کا واقعہ

تذکرۃ المحدثین میں امام طحاویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتداء میں یہ اپنے ماموں امام مزنی کے درس میں شریک ہوتے تھے، جو امام شافعیؒ کے ممتاز شاگرد اور فقہ شافعی کے بانیوں میں تھے، ایک دن انہوں نے کوئی مسئلہ بیان کیا جس کو طحاویؒ بار بار سمجھانے کے باوجود بھی نہیں سمجھ سکے، اس پر انہوں نے غبی اور کند ذہن ہونے کا طعنہ دیا، اور کہا خدا کی قسم! تجھے کچھ نہیں آ سکتا، امام طحاویؒ اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوئے کہ امام مزنی کے درس میں جانا ہی چھوڑ دیا، اور ابو جعفر ابن ابی عمران حنفی کے درس میں شریک ہو گئے، اور پوری محنت و جانفشانی سے فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی اور اپنے معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے، ایک روز وہ امام مزنی کی قبر سے گذرے تو فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اگر یہ زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے، اور امام طحاوی کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا کیا کہ دنیا نے اسی کند ذہن کو امام تسلیم کیا، محنت اور جدوجہد کے ایسے ہی نتائج ہوتے ہیں۔

علامہ تفتازانی کا واقعہ

علامہ سعد الدین تفتازانی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ابتداء میں بہت کند ذہن تھے، قاضی عضد الدین کے حلقۂ درس میں آپ سے زیادہ غبی کوئی نہ تھا، مگر جدوجہد، سعی و کوشش اور مطالعۂ کتب میں سب سے آگے تھے، برابر لگے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ان سے کہہ رہا ہے کہ سعد الدین! چلو سیر و تفریح کر آئیں، آپ نے جواب دیا کہ میں سیر و تفریح کیلئے نہیں پیدا کیا گیا، میں انتہائی محنت اور مطالعہ کے باوجود کتابیں نہیں سمجھ پاتا، تفریح

کرونگا تو کیا حال ہوگا؟ وہ شخص یہ سنکر چلا گیا، کچھ دیر کے بعد پھر آیا اور اسی طرح کہا آپ نے پھر انکار کیا، تیسری مرتبہ وہ پھر آیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمارہے ہیں، اس مرتبہ آپ گھبرا کر اٹھے اور ننگے پاؤں چل پڑے، شہر کے باہر ایک جگہ کچھ درخت تھے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرماہیں، آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے تبسم آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو بار بار بلایا، تم نہیں آئے، آپ نے عرض کیا حضورؐ! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ یاد فرمارہے ہیں، اس کے بعد آپ نے اپنی غباوت کی شکایت کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اِفْتَحْ فَمَکَ** منہ کھولو، آپ نے منہ کھولا، حضور اکرم نے اپنا لعاب ذہن آپ کے منہ میں ڈالا اور دعا دے کر فرمایا کہ جاؤ، بیدار ہوکر جب آپ اپنے استاذ قاضی عضدالدین کی مجلس میں حاضر ہوئے اور درس شروع ہوا تو اثنائے درس میں آپ نے کئی اشکالات کئے تو ساتھیوں نے خیال کیا کہ یہ سب بے معنی اشکالات ہیں۔ مگر استاذ تاڑ گئے اور فرمایا، یاسعد! **اِنَّکَ الْیَوْمَ غَیْرُکَ فِیْمَامَضٰی** ''سعد آج تم وہ نہیں ہو جو اس سے پہلے تھے، تو آپ نے واقعہ سنایا،

اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات آپ کی محنت، جدوجہد اور ذوق وشوق کی وجہ سے تھیں۔

طلباء میں احساس کمتری

آج کل ہمارے طلبہ بہت ہی تنگ ظرف ہوگئے، اپنا دائرہ کار بہت ہی محدود بنادیا اور احساس کمتری کے شکار ہوگئے کہ اب ہم سے کیا ہوسکتا ہے، بڑے بڑے کارنامے انجام دینے والے چل بسے، اب اس کا تصور کہاں؟

نہیں! بلکہ آپ کو اپنی منزل کا تعین کرلینا چاہئے، اپنا دائرۂ کار بہت وسیع

بنانا چاہئے، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، ہمتیں اور حوصلے بلند رکھنے چاہئیں۔ اس لئے کہ بلند ہمت انسان کی مثال پرندوں جیسی ہے، جیسے پرندے اپنے بازوؤں کی مدد سے ہوا میں اڑتے ہیں اور فضائی سیر کرتے ہیں، ایسے ہی انسان اپنی ہمتوں کی مدد سے بلند پروازی کرتا ہے اور اعلیٰ مقامات تک پہنچ جاتا ہے، انسان کے ٹھوس عزائم اور بلند حوصلوں کے سامنے کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی، آہنی دیواریں بھی ٹوٹ جاتی ہے۔

جو ہو عزم سفر پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

صاحب تعلیم المتعلم لکھتے ہیں کہ کسی بھی چیز کو حاصل کرنے میں بنیادی چیز عالی ہمتی اور کوشش ہے، مثلاً کسی نے پختہ ارادہ کرلیا کہ میں محمد بن حسنؒ کی تمام کتابوں کو (جوایک ہزار کے قریب ہیں) زبانی یاد کروں گا اور اس میں وہ پوری طرح لگ بھی گیا تو ظاہر ہے کہ اگر ان تمام کتابوں کو مکمل طور پر یاد نہ کرسکا تو کم سے کم اس کے اکثر حصے کو تو ضرور ہی یاد کرلے گا اور اگر اس کے اندر بلند حوصلگی تو ہے، مگر محنت نہیں کرتا یا محنت کرتا ہے مگر ہمت وحوصلہ نہیں رکھتا تو وہ علم کے تھوڑے سے حصے سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

نیز انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُحِبُّ مَعَالِیَ الْاُمُوْرِ وَیَکْرَہُ سَفْسَافَھَا " اللہ تعالیٰ تمام کاموں میں بلند ہمتوں کو محبوب رکھتا ہے اور پست ہمتی کو ناپسند کرتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ نے ایک موقع پر فرمایا "بفضلہٖ تعالیٰ کام سب کچھ ہوسکتا ہے، ہمت کی ضرورت ہے، بندہ کا فرض کام شروع کردینا اور اس میں لگ جانا ہے، وہ صرف اسی کا مکلّف ہے، پھر چند روز میں انشاء اللہ سب کچھ ہورہے گا، ہمت تو وہ چیز ہے کہ پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے۔

ابن شبیب کا مقولہ ہے۔ "طبیعت تربیت سے بنتی ہے، اور علم تلاش سے ملتا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے ''اَلْعُقُوْلُ مَوَاهِبُ وَالْعُلُوْمُ مَكَاسِبُ'' عقل وہبی اور علم کسبی ہے، جس قدر علم کیلئے کسب اور جدو جہد ہوتی رہے گی اسی کے بقدر ترقی ہوتی رہے گی۔

اس لئے بلند حوصلوں کے ساتھ علم کے پیچھے محنت اور جدو جہد کرتے رہیں، اس طرح بادیہ پیمائی کرتے کرتے کسی نہ کسی وقت تو منزل پر پہنچ ہی جائیں گے۔ ؎

کچھ دن اور بھی بادیہ پیمائی کر　　　مل ہی جائیگی کبھی منزل لیلیٰ اقبال

شیخ سعدیؒ کی ابتدائی حالت

شیخ سعدیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے علم کا جو داعیہ پیدا ہوا اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ ایک مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، بیوی کسی بات پر ناراض ہوگئی، تو جس چمچہ سے وہ دال نکال رہی تھی اسی سے مارنے لگی آپ کے دل میں یہ بات آئی کہ اگر میرے پاس علم ہوتا تو اس چمچہ کا مار نہ کھاتا،

چنانچہ اسی وقت رخت سفر باندھا اور بغداد جا کر تحصیل علم میں لگ گئے، لیکن چونکہ عمر بڑی تھی اور زبان بھی موٹی ہوچکی تھی، اس لئے علم حاصل کرنے میں زبان چلتی نہیں تھی، تو بچے ان پر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے۔ ایک مرتبہ پریشان ہوکر اور علم سے مایوس ہوکر یہ طے کرلیا کہ چلو اب ڈوب مریں، پس اس ارادے سے ایک کنویں پر پہنچے تو کنویں میں ایک تختہ تیرتا ہوا دیکھا، جس پر گڈھے پڑ چکے تھے، پوچھا یہ گڈھے کیسے پڑے ہیں؟ ایک عورت نے کہا ڈول رسی کی رگڑ کی وجہ سے اس پر گڈھے پڑے ہیں، فوراً آپ کے دل میں یہ بات آئی کہ جب اس تختہ پر رسی کی رگڑ کی وجہ سے گڈھے پڑ سکتے ہیں باوجود یہ کہ سخت ہے، تو میری زبان تو نرم ہے، میری شب و روز کی محنت اور جدو جہد سے کیا زبان میں سلاست پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ بات دل میں کچھ اس طرح اثر کرگئی کہ اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور برابر علم

کی محنت میں لگ گئے اور چالیس سال تک تحصیل علم میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایسا زبردست علم عطا ہوا کہ رہتی دنیا تک ان کے علوم وفیوض سے علمی دنیا میں نفع ہوتا رہیگا۔

یحییٰ نحوی کی ابتدائی حالت

امام النحو شیخ یحییٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ابتداء میں ایک کشتی کے ملاح تھے اور جزیرۂ اسکندریہ میں جہاز رانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، لیکن علم سے بہت محبت رکھتے تھے۔ پس جب ان کی کشتی میں علم دوست حضرات سوار ہوتے اوران کے مابین علمی چرچا اور مذاکرات ہوتے اس کو برابر کان لگا کر سنتے رہتے اور جی میں بہت خوش ہوتے۔ پس رفتہ رفتہ یہ بات دل میں جم گئی کہ علم حاصل کرنا چاہئے، لیکن معاً دل میں یہ سوچ بھی پیدا ہوئی کہ میری عمر چالیس سال سے متجاوز ہوچکی ہے اور سوائے جہاز رانی کے اور کوئی پیشہ میں نہیں جانتا تو علم جیسی دولت میں کیسے حاصل کرسکتا ہوں، جب دل میں فکر پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جو مسبب الاسباب ہے ضرور اسباب مہیا کرتا ہے۔

اسی سوچ میں مستغرق تھے کہ یکا یک ایک چیونٹی کو دیکھا جو کھجور کی گٹھلی اٹھا کر بڑی مشقت کے ساتھ اوپر چڑھ رہی تھی وہ تھوڑی دور تک چلتی اور گٹھلی گر جاتی، پھر لوٹ کر آتی اور اٹھا کر چلنا شروع کرتی، اسی طرح کئی مرتبہ کی مسلسل محنت ومشقت کے بعد وہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوئی اور منزل تک پہنچ گئی۔

یہ منظر دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جب ایک کمزور مخلوق محنت ومشقت سے اپنے مقصود کو حاصل کرسکتی ہے، تو میں توانا وطاقتور ہوکر محنت ومشقت سے اپنے مقصود کو کیوں حاصل نہیں کرسکتا، پس اسی وقت وہ اپنی کشتی کو بیچ کر طلب علم کیلئے نکل پڑے اور نحو، لغت اور منطق کو پڑھنا شروع کیا اور پوری مہارت

حاصل کی نحو میں تو امامت کا درجہ حاصل کرلیا اور بہت ساری کتابیں لکھی ،صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن العاصؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرو بن العاصؓ ان سے بہت خوش ہوئے۔

ہمارے اسلاف اور علمی محنت وجدوجہد

ہمارے اسلاف کی زندگی میں علمی محنت اور جدوجہد ، اور علم کی دھن اور شمع علم پر پروانگی کی جو کیفیت تھی، اس کی نظیر نہیں ملتی ، یہی وہ چیز تھی جس نے ان کو مشرق ومغرب میں وہ اعلیٰ مقام عطا کیا تھا کہ اغیار بھی ان کی علمی قدرومنزلت کے معترف تھے۔

بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ اتنا کثیر علم تم نے کیونکر حاصل کیا؟ تو جواب دیا کوے کی طرح تڑکے اٹھ کر، گدھے کی طرح ثابت قدم رہ کر اور سوہر کی طرح حریص بن کر۔ (جامع بیان العلم)

فرّاء کہتے ہیں کہ حکیم جالینوس سے پوچھا گیا کہ اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ تم نے حکمت کیسے حاصل کرلی؟ جالینوس نے جواب دیا، اس طرح کہ میں نے کتب بینی کیلئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا وہ شراب پر خرچ کر چکے ہیں۔

ابن المقری بیان فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک نسخہ ''ابن فضالہ'' کے خاطر ستر منزل کا سفر کیا تھا۔ اس نسخہ کی ظاہری حیثیت یہ تھی کہ اگر کسی نان بائی کو دیا جائے تو وہ ایک روٹی بھی اس کے عوض میں دینا گوارہ نہ کرے، ایک منزل بارہ میل قرار دی گئی ہے۔ پس اس لحاظ سے ایک کتاب کے خاطر آٹھ سو چالیس میل کا سفر طے کر ڈالا۔

شیخ محمد سلیمان اپنی کتاب ''کتاب من اخلاق العلماء'' میں جامعہ ازہر

میں اپنی طالب علمی کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ علمی محنت اور جدوجہد سے بالکل تھکتے نہیں تھے۔ طلوع فجر سے لے کر رات کے ایک تہائی حصہ تک علمی مشغلہ کے سوا اور کوئی کام نہیں رہتا تھا، فجر کے بعد درس، طلوع شمس کے بعد درس، ظہر کے بعد، عصر کے بعد، مغرب کے بعد اور بسا اوقات عشاء کے بعد بھی اسباق ہوتے تھے اور ان کے درمیان کے باقی اوقات بھی مطالعہ و کتب بینی اور اسباق کی تیاری میں ہی گذرتے تھے۔

حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس اپنے متعلق کہتے تھے کہ ایک قرآنی آیت کے شان نزول کی تلاش میں چودہ سال سرگرداں رہا۔ آخر اس کا پتہ لگا کر چھوڑا۔

(تدوین حدیث)

شیخ جمال الدین قاسمیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ اپنی علمی جدوجہد اور علم کیلئے فنائیت کے سبب ایسے چمکے کہ ان کا کوئی ساتھی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکا، وقت کی پابندی، علم کی محنت اور کام کی لگن میں سب رفقاء درس میں ممتاز تھے خود تحریر فرماتے ہیں۔

وَقَدْ حَبَّبَ الْمَوْلٰی اِلَیَّ مِنْ حِدَاثَتِی الْقِرَأۃَ وَالْمُطَالَعَۃَ وَنَسْخَ الْکُتُبِ وَتَالِیْفَ الرَّسَائِلِ وَاَذْھَبَ الْمَوْلٰی بِفَضْلِہٖ عَنْ عَبْدِہِ الْبِطَالَۃَ وَصَرْفَ الْاَوْقَاتِ سُدًی فَطَالَعْتُ مِنْ کُتُبِ الْاَدَبِ وَالتَّارِیْخِ مَالَا اُحْصِیْ

اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے میرے دل میں پڑھنے کی اور مطالعہ و کتب بینی کی اور تصنیف وتالیف کی محبت ڈالدی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو سستی اور لغو کاموں میں وقت برباد کرنے سے محفوظ رکھا تھا، جس کی برکت سے میں نے تاریخ وادب کی بیشمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ (اقوال سلف)

امام الادب جاحظ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو آخری عمر میں فالج کا اثر

ہوگیا اور آٹھ سال تک برابر یہ حالت رہی، لیکن علمی مشغلہ میں کوئی فرق نہیں آیا، تصنیف وتالیف کا کام بھی برابر جاری رہا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ ان کے اوپر کتابیں گریں اور یہی واقعہ ان کی موت کا سبب بن گیا۔ (اخلاق العلماء)

امام محمدؒ اور علمی محنت وجدوجہد

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے امام محمد کے یہاں رات کو قیام کیا اور صبح تک نماز پڑھتا رہا اور امام محمدؒ رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح بلا تجدید وضو فجر کی نماز ادا کرآئے، مجھے یہ بات کھٹکی، تو میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سو گیا تھا، نہیں بلکہ میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے، پس آپ نے رات بھر اپنے لئے کام کیا ہے اور میں نے پوری امت کیلئے۔ (ظفر المحصلین)

امام شافعی اور علمی محنت وجدوجہد

ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ یہاں مصر میں چار سال مقیم رہے، اس دوران انہوں نے ایک ہزار پچاس ورق لکھے اور دو ہزار اوراق میں کتاب الام کی تخریج کی اور کتاب السنن کو لکھا، اس کے علاوہ بہت سارے کام انجام دئے اسی مدت میں، حالانکہ بواسیر کی ایسی سخت بیماری تھی کہ بسا اوقات امام سوار ہوتے اور خون اتنا نکلتا کہ پائجامہ اور موزے تر ہو جاتے اور یہ مرض برابر امام کو گھیرے رہا، یہاں تک کہ اسی مرض کی حالت میں دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

امام شافعیؒ کے دیکھنے والے کا بیان ہے کہ دن تو خیر دن تھا رات کو بھی حضرت امام کا یہ حال تھا کہ بظاہر سونے والوں کی شکل بنا کر لیٹ جاتے، لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی باندی کو حکم دیتے، وہ چراغ جلاتی، آپ وہ کچھ لکھتے اس کے بعد چراغ گل کر دیتے۔

امام بخاریؒ اور علمی محنت وجد وجہد

امام بخاریؒ کے متعلق ان کے اوراق (مسودہ) نویس محمد ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ سفر میں امام بخاریؒ کے ساتھ میرا قیام عموماً اسی کمرے میں ہوتا تھا جس میں امام آرام فرماتے تھے، دیکھا کرتا تھا کہ رات کو جب ہم لوگ سورہتے تو امام بخاریؒ باربار اٹھ کر چقماق سے چراغ جلاتے اور لکھی ہوئی حدیثوں پر کچھ علامت بناتے، پھر سوجاتے، ایک ایک رات میں پندرہ سے بیس دفعہ تک میں نے دیکھا ہے کہ اٹھتے ہیں اور لیٹتے ہیں، میں عرض کرتا کہ جس وقت آپ اٹھتے ہیں مجھے اٹھالیا کیجئے، تو فرماتے کہ میاں! تم جوان آدمی ہو، تمہاری نیند کو میں خراب کرنا نہیں چاہتا۔ (تدوین حدیث)

امام ادب سیبویہ اور علمی محنت وجد وجہد

امام سیبویہ ابتدائی طالب علمی میں فقہ اور حدیث پڑھا کرتے تھے، نحو سے اس وقت ان کو چنداں مناسبت نہ تھی، اس زمانے میں وہ حماد بن سلمہ کے مستملی بھی تھے، ایک روز کسی حدیث کی روایت میں حماد نے الفاظ...... "لیس ابا الدرداء" املا کیے، سیبویہ نے ان کو ادا کرتے وقت "لیس ابو الدرداء" سامعین کو سنایا، شیخ نے کہا غلط لفظ مت بتاؤ "لیس ابا الدرداء" کہو، اس گرفت سے سیبویہ کو نہایت انفعال ہوا اور دل میں سوچا کہ میں وہ علم کیوں نہ سیکھوں جو ایسی غلطیوں سے محفوظ رکھے چنانچہ انہوں نے علم نحو سیکھنا شروع کیا اور اس جد وجہد اور محنت سے سیکھا اور وہ کمال حاصل کیا کہ سینکڑوں برس سے طلبہ ان کا نام لے کر نحوی ہو رہے ہیں۔ ؎

ہر محنتے مقدمہ راحتے بود
شد ہمزبان حق چوں زبان کلیم سوخت

چوتھا ادب

طالب علم۔ اور اسباق کی پابندی

تحصیل علم کے ظاہری آداب میں ایک اہم ادب اسباق کی پابندی بھی ہے طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ خوب اہتمام کے ساتھ سبق میں حاضر ہو، کسی روز سبق کی ناغہ نہ کرے، کہ اس سے بے برکتی ہوتی ہے، دل اکھڑ جاتا ہے، پڑھا ہوا بھی بھول جاتا ہے، شوق میں کمی آجاتی ہے، علم سے اور کتاب سے مناسبت پیدا نہیں ہوتی، علم کی اور استاذ کی ناقدری ہوتی ہے، جس کے سبب بسااوقات آدمی علم سے محروم ہوجاتا ہے۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک روز سبق ناغہ کرنے سے چالیس روز کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ اس لئے خوب ذوق وشوق اوراہتمام کے ساتھ اسباق میں حاضری دے کیونکہ علمی ترقی بغیر مواظبت اور پابندی کے ممکن نہیں ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے۔ ؎

دَاوِمْ عَلَی الدَّرْسِ لَاتُفَارِقْهُ   فَالْعِلْمُ بِالدَّرْسِ قَامَ وَارْتَفَعَا

ترجمہ اسباق کی بلاناغہ پابندی اور مداومت کروکہ علم میں پختگی اور سرفرازی اسی سے آتی ہے۔

آج کل ہمارے طلبہ کا یہ حال ہے کہ اسباق کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، بلاوجہ معمولی معمولی بہانے بنا کر اسباق ناغہ کردیتے ہیں، تعلقات اتنے وسیع بنائے ہوئے ہیں کہ دوستوں کی ملاقاتیں ہی ختم نہیں ہوتی، خطوط اور ٹیلیفون کا سلسلہ بھی برابر لگا رہتا ہے، آئے دن دوستوں کا ہجوم رہتا ہے، کبھی اس کے ساتھ گھومنے چلے گئے، کبھی اس کے ساتھ تفریح میں چل دئے اور اسباق اسی سیروتفریح کی نذر ہوجاتے ہیں، ایسی صورت حال میں طلبہ کو علم سے مناسبت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔

اس کا نتیجہ سوائے حرماں کے کچھ نہیں ہوتا۔

اس وہم وگمان پر بھی کبھی سبق ناغہ نہ کرنا چاہئے کہ طلبہ سے تکرار کرلونگا کیوں کہ طالب علم استاذ کی پوری تقریر نہیں دہرا سکتا اور اگر بعد میں خود استاذ سے بھی پڑھ لوگے تو بھی انفراداً پڑھنے میں وہ بات کہاں حاصل ہوسکتی ہے جو درس میں تھی، درس میں مجمع کی طلب اور توجہ پر جو مضامین استاذ کے قلب پر وارد ہوئے تھے وہ نہیں آسکتے گو استاذ کوشش بھی کرے۔

ہمارے اسلاف اور اسباق کی پابندی

ہمارے اسلاف و اکابر اسباق کا بے حد اہتمام کرتے تھے، کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ میں سبق میں پہنچنے کے لئے اس قدر جلدی کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میری سانس پھولنے لگتی تھی۔

امام ثعلب کہتے ہیں کہ پچاس برس سے برابر میں ابراہیم حربی کو اپنی مجلس میں حاضر پاتا ہوں، کبھی انہوں نے ناغہ نہیں کیا۔ (آداب المتعلمین)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالبعمانہ زندگی خود انہی کی زبانی سنئے:

از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم	بچپن ہی سے میں نہیں جانتا کہ
کہ بازی چیست وخواب کدام	کھیل کیا ہے، سونا کون سی چیز
، مصاحبت کیست و آرام چہ و	ہے، صحبت و یار باشی کس چیز کا
آسائش کو، سیر کجا، شب خواب	نام ہے اور آرام کس کو کہتے
چہ و سکون کدام، خود خواب	ہیں ، راحت کہاں اور سیر و
بعاشقاں حرام است، ہرگز در	تفریح کیسی؟ رات کو نیند کیسی؟
شوق کسب وکار طعام بوقت	آرام کہاں، نیند تو عاشقوں پر

نخوردہ وخواب درمحل نبردہ)　　　　حرام ہے، تحصیل علم اور کام
کے شوق میں کبھی نہ وقت پر کھانا کھایا نہ وقت پر سویا۔

آگے فرماتے ہیں میں روزانہ چاہے چلے کے جاڑے ہوں یا شدت کی گرمی پڑتی ہو، اپنے گھر سے دہلی کے مدرسہ میں دونوں وقت حاضری دیتا تھا حالاں کہ گھر سے مدرسہ تک دو میل کا فاصلہ تھا۔ پھر لطف یہ کہ ایسے وقت گھر سے نکل پڑتا تھا کہ صبح صادق سے کچھ دیر پہلے مدرسہ مین پہنچ کر چراغ کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، دوپہر کے قریب وہاں سے گھر آکر چند لقمے کھاتا اور پھر مدرسہ کی راہ لیتا۔　　　　(اقوال سلف)

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کے حالات میں ہے کہ سبق کا بہت اہتمام کرتے تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی کاندھلہ قریب تھا، مگر میں خود جانے کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت (مولانا گنگوہی) خود مجھے امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کردیا کرتا تھا۔

(تذکرۃ الخلیل)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنے چچا حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کے سفر حج سے واپس ہونے کے موقع پر سہارنپور اسٹیشن تک بھی بغرض استقبال تشریف نہیں لے گئے کہ کبھی سبق کی ناغہ ہوجائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کی طالبعلمی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ دہلی کے حضرات کا چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحب) پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادہ سلمہ کو شادیوں میں ضرور ساتھ لے آویں، مگر مرحوم اپنی طالب علمی میں اس قدر منہمک تھے کہ ان کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا۔ بسا اوقات اس کی نوبت آتی کہ ان اوقات میں اس ناکارہ کو دہلی جانا

ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے جاتے ہی وعدہ لے لیتے کہ بھائی جی! فلاں جگہ جانے کا آپ نہ کہیں اور جب چچا جان مجھ سے ارشاد فرماتے کہ یوسف کو ساتھ لیلو تو میں بھی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا ہے کہ میں نہ کہوں، اور آج ہمارے طلبہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ اور اسباق کی پابندی

صاحب آداب المتعلمین نے مناقب موفق کے حوالہ سے امام ابو یوسف کا یہ بیان نقل کیا ہے ''مَاتَ ابْنٌ لِیْ فَلَمْ اَحْضُرْ جِهَازَهٗ وَلَا دَفْنَهٗ وَ تَرَكْتُهٗ عَلٰى جِيْرَانِیْ وَ اَقْرِبَائِیْ مَخَافَةَ اَنْ يَّفُوْتَنِیْ مِنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ شَيْءٌ وَلَا تَذْهَبَ حَسْرَتُهٗ عَنِّیْ'' یعنی میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا لیکن میں نہ جاسکا، نہ اس کے جنازے میں شریک ہوسکا اور تجہیز و تکفین کا کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کردیا، اس اندیشہ سے کہ امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے جس پر ہمیشہ حسرت ہوتی رہے۔

ناقل موطا یحییٰ بن یحییٰ اور اسباق کی پابندی

ناقل موطا یحییٰ بن یحییٰ مدینہ منورہ میں امام مالک سے پڑھ رہے تھے، ان کے علاوہ اور لوگ بھی امام کی خدمت میں فیض یاب ہورہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی کے آنے کا شور وغل ہوا، چونکہ عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض عرب کے رہنے والے ہاتھی کے دیکھنے کو فخریہ بیان کرکے مبارکبادی کے خواستگار ہوتے ہیں، اسلئے اکثر طلبہ امام کی مجلس کو چھوڑ کر ہاتھی کا تماشا دیکھنے کو دوڑ پڑے۔ مگر یحییٰ بن یحییٰ اپنی اسی ہیئت و حالت کے ساتھ بیٹھے ہوئے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے، نہ کسی قسم کا اضطراب پیش آیا نہ کوئی حرکت بے ساختہ ان سے ظاہر ہوئی، امام صاحب اسی وقت سے ان کو ''عاقل''

کے خطاب کے ساتھ مخاطب فرماتے تھے۔ (بستان المحدثین)

حضرت گنگوہی اور اسباق کی پابندی

ایک مرتبہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں حضرت استاذی مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پڑھتا تھا، میرے تمام بدن پر خارش نکل آئی، میں ہاتھوں میں دستانہ پہن کر سبق پڑھنے کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا، ان ایام میں بھی ایک دن سبق ناغہ نہیں کیا ایک روز مجھ کو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھ کر حضرت استاذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمہارا تو وہ حال ہوگیا بقول شخصے ؎

یک تن وخیل آرزو و دل بچہ مدعا دھم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم — تذکرۃ الرشید

قاری عبدالرحمٰن صاحب اور اسباق کی پابندی

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدثؒ سے پڑھا کرتے تھے، شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ہر وقت غمزدہ رہتے تھے، ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ تم رنجیدہ نہ ہو اور شاہ محمد اسحاق صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ان سے جا کر علم حاصل کرلو۔

علمی انہماک اور درس کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی تعطیل کے علاوہ کبھی گھر نہ جاتے تھے اور نہ خطوط پڑھتے نہ جواب دیتے، پانی پت دہلی سے دور نہیں، اکثر لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی، اگر کوئی ملاقاتی یا رشتہ دار مل گیا تو سلام اور اس کے جواب کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے تھے اور فرماتے یہاں تو مجھے فرصت نہیں، جب پانی پت آنا ہوگا تو وہاں بات کریں گے۔

قیام گاہ مدرسہ سے دور تھی، ایک مرتبہ سخت بارش ہو رہی تھی، قریب کے طلبہ مدرسہ پہنچ گئے، قاری صاحب کے انتظار میں حضرت شاہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ طلبہ نے کہا آج بارش بہت زیادہ ہے قاری صاحب نہ آسکیں گے۔ حضرت شاہ صاحب خاموش رہے، اتنے میں قاری صاحب گھڑے کے اندر کتاب لئے بھیگتے ہوئے پہنچ گئے، سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے، حضرت شاہ صاحب مسرور ہوئے، طلبہ سے مخاطب ہوکر فرمایا میں سمجھ رہا تھا کہ قاری صاحب سبق کا ناغہ نہ کریں گے، اس کے بعد فرمایا کہ تم قاری صاحب کو نہیں سمجھتے! الفاظ حدیث کے میں ان کو پڑھاتا ہوں اور حدیث کی روح خود ان سے حاصل کرتا ہوں۔

(آداب المتعلمین)

پانچواں ادب

طالب علم۔ اور استاذ کی تقریر توجہ اور دلجمعی سے سننا

تحصیل علم کے ظاہری آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ طالب علم استاذ کی تقریر توجہ اور دلجمعی سے سنے، دوران تقریر نہ ادھر ادھر دیکھے، نہ کسی سے باتیں کرے، بلکہ ہمہ تن متوجہ رہے، ایسا ہرگز نہ ہو کہ صرف جسم یہاں موجود ہو اور ذہن کہیں اور خیالات کی دنیا میں گھوم رہا ہو، اس طرح کرنے سے علم کی ناقدری ہوتی ہے۔

بلکہ نہایت ہی وقار اور خوب طلب و رغبت کے ساتھ درس میں بیٹھے، جتنی دلجمعی، طلب اور رغبت ہوگی اتنا ہی فیض پہنچے گا عادۃ اللہ یونہی جاری ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ ہے ''اَوَّلُ الْعِلْمِ الْاِسْتِمَاعُ، ثُمَّ الْاِنْصَاتُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ الْعَمَلُ ثُمَّ النَّشْرُ'' علم کی ترتیب اس طرح ہے، اول استاذ سے غور سے سننا، پھر خاموش رہ کر اس کا صحیح مطلب سمجھنا، پھر اس کو یاد کرنا، پھر اس پر

عمل کرنا، پھر اس کی اشاعت کرنا۔

ایک حکیم نے اپنے لڑکے کو نصیحت کی کہ حسن کلام کی طرح حسن استماع بھی سیکھنے کی چیز ہے، حسن استماع یہ ہے کہ متکلم کو اپنی بات پوری کرنے کی مہلت دے اور اپنے منہ اور اپنی نگاہ سے اس کی طرف متوجہ رہے اور کوئی بات پہلے سے معلوم بھی ہو تو دخل نہ دے خاموشی سے سنے۔ (تحفۃ المتعلمین)

بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ جَرِيْرٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ رواه البخاری	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے وقت حضرت جریرؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاذ کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہئے کسی سے بات نہ کرے، کسی کی طرف التفات نہ کرے۔ (اصلاح انقلاب امت)

اسلئے طلبہ کو چاہئے کہ علم وحکمت کی باتیں نہایت غور سے اور عظمت کے ساتھ سنیں، اگرچہ ایک مسئلہ علمی کو ایک ہزار مرتبہ سننا پڑے۔

کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو ایک ہزار مرتبہ سننے کے بعد بھی علم کی وہی عظمت نہ کرے جو پہلی بار کی تھی تو وہ شخص علم کا اہل نہیں۔

درس گاہ نبوی کے وقار وتمکنت کا یہ حال تھا کہ شرکائے مجلس ہمہ تن گوش بنے رہتے تھے۔

حضرت اسامہ ابن شریک کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت صحابہؓ آپؐ کے اردگرد یوں بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ (خیر القرون کی درسگاہیں)

اہم مضامین کو نوٹ کرنا

اگر ہوسکے تو استاذ کی تقریر کو من وعن نوٹ کرے ورنہ کم از کم اہم مضامین کو

تو ضرور نوٹ کرے۔اس لئے کہ استاذ کی تقریر مختلف کتابوں کے مطالعہ کا لب لباب اور نچوڑ ہوتی ہے، جس میں سے بعض مضامین تو محض القائی ہوتے ہیں، اسلئے نوٹ کرنے کی عادت بنالے تاکہ وہ علوم محفوظ ہوجائیں۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ طالب اپنے پاس قلم و کاغذ رکھے تاکہ استاذ کی تقریر میں عمدہ مضامین کو نوٹ کرسکے اور محفوظ رکھ سکے،بعض علماء کا قول ہے "مَنْ حَفِظَ شَیْأً فَرَّ وَمَنْ کَتَبَ شَیْأً قَرَّ" یاد کی ہوئی چیز کا نکلنا ممکن ہے لیکن جو مضامین تحریر میں آگئے وہ جڑ پکڑ لیتے ہیں۔

اور انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت ہلال ابن یسارؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صحابہ کے سامنے علم وحکمت کی باتیں بیان فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نے جو کچھ ان سے فرمایا ہے وہ مجھے بھی سنا دیجئے ،آپؐ نے دریافت کیا، کیا تمہارے پاس کاغذ ہے؟ میں نے عرض کیا یہ تو نہیں ہے، آپؐ فرمانے لگے کہ ہلال! کاغذ تو کبھی مت چھوڑا کرو،اس لئے کہ خود کاغذ اور اس کے مالک قیامت تک خیر محسوس کرتے رہیں گے۔

چنانچہ ہمارے اسلاف و اکابر کا یہی طرز و طریق تھا کہ وہ مضامین کو اپنے نوشتوں میں محفوظ کرلیتے تھے اور اسی سے مضمون نگاری کی بھی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

عصام ابن یونسؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار میں ایک قلم خریدا تھا، اسی غرض کے پیش نظر کو جو کچھ سنیں گے اسے لکھ لیا کریں گے۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ انہوں نے دورۂ حدیث اعلیٰ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ سے پڑھا اور پڑھتے وقت اس کا بھی اہتمام کیا کہ حضرت کی تقریرات جو سبق میں سنتے وہ خارج وقت میں ضبط

کر کے نقل فرماتے اور لکھ لیا کرتے ، جو ہر کتاب کی ایک مستقل تعلیق اور نادرالوجود شرح بن گئی۔

چنانچہ ترمذی شریف کی تقریر ''الکوکب الدری'' اور بخاری شریف کی ''لامع الداری'' کے نام سے طبع ہوئی۔

اسباق کو مطالعہ کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام

استاذ کے سامنے سبق پڑھنے سے پہلے نہایت اہتمام کے ساتھ مطالعہ کر کے جائے اور روزانہ پابندی کے ساتھ مطالعہ کرے، کوئی سبق بغیر مطالعہ کے نہ پڑھے، مطالعہ کے بے شمار فوائد ہیں، منجملہ ان کے سبق اچھی طرح ذہن نشین اور محفوظ ہو جاتا ہے۔

رحمۃ المتعلمین میں لکھا ہے کہ بغیر مطالعہ پڑھنے سے پڑھتے وقت جب استاذ کچھ تقریر کرتا ہے تو سمجھ میں نہیں آتی ہے، اگر سمجھ بھی لے جلدی یاد نہیں ہوتی۔ اگر یاد بھی ہو جاتی ہے تو ٹھہرتی نہیں، اگر مطالعہ کر کے پڑھے گا تو ان آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

کتاب کو اس کی عربی شروح و متعلقات سے حل کرنے کی کوشش کرے، اردو شروحات کو ہاتھ نہ لگائیں کہ یہ استعداد کے لئے مضر ہیں، ابتداء میں اپنے کسی خاص استاذ سے جن سے لگاؤ زیادہ ہو اور دل جن سے زیادہ مانوس ہو مطالعہ کا طریقہ و ترتیب معلوم کرے اور عبارت کو حل کرنا سیکھے اور اسی استاذ کے مشورہ سے چلتا رہے، انشاء اللہ بہت ترقی ہوگی، عمدہ استعداد بنے گی اور عربی عبارت سے مناسبت پیدا ہوگی، ابتداء اگر چہ طبیعت پر گرانی ہوگی بوجھ پڑے گا کہ مطالعہ سے کبھی پورا سبق سمجھ میں نہیں آتا ہے، کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے اور کبھی بڑی محنت و مشقت کے بعد تھوڑا سا سمجھ میں آتا ہے، لیکن اس سے گھبرائے نہیں، ہمت

نہ ہارے بلکہ برابر مداومت رکھے، اس لئے کہ مطالعہ کا مقصد بقول حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے معلومات اور مجہولات میں امتیاز ہے اور یہ چیز بہر صورت حاصل ہوجاتی ہے یعنی مطالعہ سے اگر کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تو بھی نفع سے خالی نہیں، کیونکہ اتنا تو سمجھ میں آہی گیا کہ یہ سبق سمجھ میں نہیں آیا، مشکل ہے۔

پھر جب صبح کو استاذ کے سامنے درس میں بیٹھے گا تو استاذ کی تقریر خوب دھیان اور توجہ سے سنے گا اور جب سبق سمجھ میں آجائے گا تو دل سے شکر ادا کرے گا کہ رات بھر محنت و مشقت کے باوجود سبق سمجھ میں نہیں آیا تھا اور استاذ محترم نے کس سلیقہ سے سمجھا دیا۔............... اس سے ایک تو استاذ کی عظمت دل میں آئے گی، استاذ سے قلبی محبت ہوگی اور دوسرے سبق کی اہمیت پیدا ہوگی اور یہ دونوں باتیں علمی ترقی کا ذریعہ ہے۔

چار کام استعداد کی ضمانت ہے

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر طلبہ تین باتوں کا التزام کرلیں تو پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں استعداد علمی حاصل ہوجائے گی۔

(۱) پہلا کام یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اس کا مطالعہ ضرور کیا جائے اور مطالعہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، کیوں کہ مطالعہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ معلومات اور مجہولات متمیز ہوجائیں، اس سے زیادہ کاوش نہ کرے، کتاب کو حل کرنے کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) دوسرا کام سبق استاذ سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے، بلا سوچے سمجھے بالکل آگے نہ بڑھے، اگر اس وقت استاذ کی طبیعت حاضر نہ ہو تو کسی دوسرے وقت سمجھ لے۔

(۳) اس کے بعد خود بھی مطلب کی تقریر کرے، پھر ان تینوں التزامات کے بعد بے فکر رہے چاہے یاد رہے یا نہ رہے۔ انشاء اللہ استعداد ضرور پیدا ہوجائے گی۔ یہ

تینوں باتیں تو درجۂ وجوب میں ہیں۔
(۴) اور ایک چوتھی بات درجۂ استحباب میں ہے، وہ یہ کہ کچھ آموختہ روزانہ دہرالیا کرے۔ (ملفوظات حکیم الامت)
لہٰذا جو طلبہ اپنے اندر علمی استعداد پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ ان چاروں باتوں کا پورا التزام کریں۔

اسلاف کا درس میں مطالعہ کر کے جانا

ہمارے اسلاف اسباق کو مطالعہ کے ساتھ پڑھنے کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔
مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت مفتی عنایت احمد صاحب (صاحب علم الصیغہ) کے پاس پڑھتے تھے اور جس محنت و جانفشانی کے ساتھ وہ کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے۔
ایک روز مفتی صاحب نے فرمایا کہ کل کا سبق مشکل اور پیچیدہ ہے، مطالعہ ذرا اچھی طرح دیکھ کر آنا، چنانچہ اس روز مطالعہ میں بڑی محنت کی اور الحمدللہ کہ مطلب حل کرلیا، جس سے بڑی مسرت ہوئی، صبح مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، کتاب کھول کر عبارت پڑھی، ترجمہ کیا، خلاف معمول سبق کے مشکل ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے مفتی صاحب نے خود مطلب بیان کرنا شروع کیا، مجھ کو بڑا صدمہ ہوا کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، مفتی صاحب نے سلسلۂ کلام منقطع فرما کر رونے کی وجہ دریافت فرمائی، میں نے عرض کیا کہ رات بڑی محنت سے میں نے سبق کا مطالعہ کیا تھا اور مطلب کو حل کرلیا تھا، مفتی صاحب نے تسلی دی اور پھر مطلب سنا اور بہت ہمت افزا الفاظ فرمائے۔ (سیرت مولانا محمد علی مونگیری)
حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ منطق میں نے مولانا یداللہ

صاحب سے نہایت انہماک سے پڑھی تھی، حمد اللہ میں نے اٹھارہ دن میں پڑھی ہے، ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا، اس لئے میں صبح ہی ''حمد اللہ'' اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کے چھت پر جا بیٹھتا تھا اور بارہ بجے اتر کر استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتا، بسا اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث بھی ہوجاتی تھی۔ (آپ بیتی)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھ رہے تھے، ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہیں کرسکے، والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا، حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا گیا اس کے بعد مطالعہ کا ناغہ کبھی نہیں ہوا۔ (آداب المتعلمین)

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف کس طرح اسباق کی تیاری اور مطالعہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

طلبہ کی عمومی غفلت ولاپرواہی

حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص کامیاب نہیں ہے جو علم کو کاہلی اور لاپرواہی سے حاصل کرے، بلکہ جو شخص نفس کی ذلت اور معاش کی تنگی کے ساتھ حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔

آج کل طلبہ میں عام طور پر غفلت ولاپرواہی پائی جاتی ہے یا تو اسباق میں حاضری نہیں دیتے، بعضے تو ہفتوں اور مہینوں کتاب کی صورت تک نہیں دیکھتے اور بعضے حاضر تو ہوتے ہیں مگر لاپرواہی کے ساتھ سبق سنتے ہیں، پھر جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاذ سے جھگڑتے ہیں، مجادلہ کرتے ہیں۔

لاپرواہی اور غفلت کا یہ حال ہے حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جگہ لکھنو میں صدرا (کتاب کا نام) کا سبق ہورہا تھا، کسی مقام پر نسخہ کی غلطی کا احتمال ہوا، طلبہ کے نسخے دیکھے گئے، ایک طالب علم ایسے تھے کہ ان سے پوچھا تمہاری کتاب میں کیا ہے؟ تو وہ ڈھونڈنے لگے' استاذ جو برہم ہوئے تو کہنے لگے کہ ابھی نظر سے نکل گیا ہے، بتلاتا ہوں، جب زیادہ دیر ہوئی تو استاذ نے کتاب ان سے لیکر خود دیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ کتاب "شمس بازغہ" کھول کر بیٹھے ہوئے ہیں، پوچھا کہ تم روزانہ اس نسخہ میں پڑھتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں! سو ان بزرگ کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ کچھ حد ہے اس لاپرواہی کی۔

اس قسم کا دوسرا واقعہ گجرات کے کسی مدرسہ کا ہمارے ایک رفیق محترم سنایا کرتے ہیں کہ ایک جگہ روزانہ ترمذی کا سبق ہوتا تھا اور ہفتہ میں ایک روز جمعرات کو بجائے ترمذی کے طحاوی کا درس ہوتا تھا، ایک طالب علم ان میں ایسے تھے کہ انہیں یہ پتہ نہ تھا، تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ مجھے جمعرات کو استاذ محترم کا سبق کتاب میں ملتا ہی نہیں، کیا بات ہے؟ روزانہ استاذ کی تقریر کو کتاب سے منطبق کرلیتا ہوں، مگر جمعرات کو عبارت ملتی ہی نہیں، کسی ساتھی نے دیکھا تو حضرت طحاوی کی جگہ ترمذی کھول کر بیٹھے ہیں۔

چھٹا ادب

طالب علم اور تکرار و علمی مذاکرہ

استاذ کی تقریر توجہ اور دھیان سے سننے کے بعد سبق کا تکرار و مذاکرہ بہت ضروری ہے کیونکہ تکرار و مذاکرہ سے علم میں پختگی آتی ہے، استعداد بنتی ہے، زبان کھلتی ہے، سنی ہوئی باتیں اچھی طرح محفوظ ہوجاتی ہے، بغیر تکرار کے علوم قلب میں

راسخ نہیں ہو سکتے۔

مشہور مقولہ ہے ''اَلسَّبَقُ حَرْفٌ وَالتَّکْرَارُ اَلْفٌ'' یعنی سبق تو کم ہونا چاہئے اور تکرار و مذاکرہ زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔

علقمہ بن قیس کہتے ہیں ''اِحْیَاءُ الْعِلْمِ الْمُذَاکَرَۃُ'' مذاکرہ علم کا احیاء ہے نیز آپ نے فرمایا ''تَذَاکَرُوْا الْحَدِیْثَ فَاِنَّ حَیَاتَہٗ ذِکْرُہٗ'' حدیث کا مذاکرہ کرتے رہو اس لئے کہ مذاکرہ ہی حدیث کا احیاء ہے۔

خلیل بن احمد کا مقولہ ہے کتابوں سے زیادہ اپنے سینے کے علم کا مذاکرہ کیا کرو۔

لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ وہ تکرار و مذاکرہ کا خوب اہتمام کرے، صرف سبق سننے پر اکتفا نہ کرے، کیونکہ سبق کی بہ نسبت تکرار اور غور وخوض جتنا زیادہ ہوگا فہم وادراک اتنا ہی بڑھے گا۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے حضرت تھانویؒ سے ایک مرتبہ پوچھا کہ کیا کتابیں پڑھتے ہو؟ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس سوال کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ میں کتابوں کے نام بھول گیا، حضرت نے اس کو محسوس فرما کر ادھر ادھر کی باتیں شروع فرما دی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ دیکھو ایک تو ہوتا ہے پڑھنا اور ایک ہوتا ہے گننا، محض پڑھنا کافی نہیں، گننے کی بھی ضرورت ہے۔

پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک عالم تھے جو ہدایہ کے حافظ تھے اور ایک دوسرے عالم تھے جو ہدایہ کے حافظ تو نہ تھے، مگر ہدایہ کو خوب سمجھ کر پڑھا تھا، دونوں میں ایک مسئلہ چھڑ گیا، حافظ ھدایہ نے پوچھا یہ مسئلہ کونسی کتاب میں ہے؟ غیر حافظ نے کہا ہدایہ میں ہے؟ انہوں نے کہا ہدایہ میں تو نہیں ہے، ہدایہ تو مجھے حفظ یاد ہے۔ غیر حافظ نے کہا یہ مسئلہ تو ہدایہ ہی میں ہے، ہدایہ منگا کر مسئلہ دکھایا، جس میں وہ مسئلہ بعینہ تو مذکور نہ تھا، لیکن اس کی کسی عبارت سے مستنبط ہوتا تھا، جس کی تقریر پر حافظ

ہدایہ نے بہت افسوس کیا کہ بس جی حقیقت میں ہدایہ کوتم نے ہی پڑھا ہے، ہم نے گویا پڑھا ہی نہیں، محض حفظ کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے یہ قصہ نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ فرق ہے پڑھنے اور گننے میں۔ (اشرف السوانح)

اسی لئے کہا گیا ہے ''حِفْظُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِنْ سِمَاعِ وِ قْرَیْنِ وَ فَھْمُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِنْ حِفْظِ وِ قْرَیْنِ'' درس میں بیٹھ کر صفحات کے صفحات سن لینے سے زیادہ مفید ہے کہ صرف دو حرف حفظ کر لئے جائیں اور صفحات حفظ کر لینے سے بہتر یہ ہے کہ دو حرف سمجھ لئے جائیں۔

اسباق کا تکرار کیسے کریں؟

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ جب تک گذشتہ سبق کا تکرار نہ کر لے اور اس کو اچھی طرح یاد نہ کر لے، ہرگز دوسرا سبق نہ پڑھے، سبق کا اعادہ طالب علم کے لئے بہت ہی نفع بخش ہے۔

ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ گذشتہ اسباق کا تکرار بار بار کرتا رہے اور یہ عمل برابر جاری رکھے۔

ایک جگہ اس کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ گذشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ اس سے پہلے کا چار مرتبہ، اس سے پہلے کا تین مرتبہ اور اس سے پہلے کا دو مرتبہ اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ اور یہ معمول روزانہ کا ہونا چاہئے، اگر ایسا کیا گیا تو یہ علوم کے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ اور طریقہ ہے۔

تکرار میں شرم و حجاب مانع نہیں ہونا چاہئے، بلکہ برابر مداومت کے ساتھ تکرار کرتا رہے، اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی تکرار سننے والا ہو، بلکہ کوئی نہ ہو تب بھی اپنا تکرار کا وظیفہ اور عمل پورا کرے، اکیلا ہی بیٹھا بیٹھا تکرار کر لے، ہمارے اسلاف اس طرح بھی تکرار کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ حضرت استاذی مفتی سعید احمد صاحب محدث لکھنوی نے احقر سے اپنا حال بتایا کہ سبق کے بعد جب کوئی طالب علم مجھے تکرار کے لئے نہ ملتا تو میں دیوار کے سامنے بیٹھ جاتا اور دیوار کو مخاطب بنا کر سبق کا تکرار کرتا اور یہ فرض کر لیتا کہ میرے مخاطب نے ابھی بات نہیں سمجھی، اس لئے پھر اسی کو کہتا، اس طرح کئی بار کہتا، یہاں تک کہ مجھے ازبر ہو جاتا۔

ہمارے اسلاف کا تکرار و علمی مذاکرہ

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہا کرتے تھے، آپؐ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد ہم لوگ آپس میں ان حدیثوں کا مذاکرہ و مراجعہ کیا کرتے تھے اور اس حال میں مجلس مذاکرہ سے اٹھتے تھے کہ گویا وہ حدیثیں ہمارے دلوں میں پودے کی طرح جڑ پکڑ گئی ہیں۔

علی بن الحسن بن شقیق راوی ہیں کہ ایک رات میں عشاء کی نماز پڑھ کر حضرت عبداللہ بن مبارک کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا، شدید سردی کی رات تھی دروازے پر پہنچ کر ابن مبارک نے ایک حدیث کا ذکر چھیڑا اور ہم دونوں میں اس حدیث پر برابر مذاکرہ و مباحثہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ موذن نے آکر فجر کی اذان دیدی۔ (تذکرۃ الحفاظ)

اصمعی سے پوچھا گیا آپ نے یہ سب علم کیونکر محفوظ رکھا؟ حالاں کہ آپ کے ساتھی بھول گئے، کہنے لگے میرے ساتھیوں نے علم کو حاصل کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا اور میں برابر اس کا چرچا کرتا رہا۔

پہلے دور کے طلبہ میں مذاکرہ و تکرار کا عام معمول تھا، جب موقع ملا حدیث کا

مذاکرہ اور علمی چرچا کرتے تھے۔
تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ اس دور میں طالب علم کو "ماتقول" کے نام سے پکارتے تھے، اس لئے کہ اس زمانہ میں طلبہ باہم ایک دوسرے سے یوں کہتے تھے "ماتقول فی ہذہ المسئلہ" اس مسئلہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یعنی بہت کثرت سے مذاکرہ کا رواج تھا۔
امام ابوحنیفہ کے کثرت تفقہ کا سبب اہل علم سے مذاکرہ و مناظرہ بتایا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ امام صاحب جب کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اس وقت بھی ان کا محبوب ترین مشغلہ علمی مذاکرہ ہی رہتا تھا۔
امام صاحب اور امام مالک کا تو مشہور قصہ ہے کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں گفتگو شروع کرتے اور صبح کی اذان ہوجاتی، نہ ان میں کوئی طعن و تشنیع ہوتا، نہ کوئی اور نامناسب بات، (آپ بیتی)
امام ابو یوسفؒ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ فقہاء کے ساتھ فقہ کا مذاکرہ بڑی رغبت اور بشاشت کے ساتھ کرتے تھے، کئی کئی روز کے مسلسل فاقوں کے باوجود اس میں فرق نہ آتا تھا۔
صاحب تعلیم المتعلم لکھتے ہیں کہ ہمارے استاذ شیخ برہان الدین فرماتے تھے کہ میں اپنے تمام ساتھیوں پر اس وجہ سے فوقیت لے گیا کہ تکرار و مذاکرہ کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔
ارسطو کی کتاب النفس کا ایک نسخہ کسی کے ہاتھ لگا، جس پر حکیم ابونصر فارانی کے قلم کی یہ عبارت تحریر تھی "اِنّی قَرَأْتُ ھٰذَا الْکِتٰبَ مِائَۃَ مَرَّۃٍ" میں نے اس کتاب کو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

میر سید شریف جرجانی اور تکرار و علمی مذاکرہ

میر سید شریف جرجانی کو زمانۂ طالب علمی میں یہ شوق ہوا کہ "شرح مطالع" کو خود اس کے مصنف سے پڑھے، اسی دھن میں وہ ہرات پہنچے اور علامہ

قطب الدین رازی سے ملے، اس وقت ان کی عمر کے آخری ایام چل رہے تھے
قوی جواب دے چکے تھے، تو انہوں نے میر سید شریف سے کہا کہ تم میرے شاگرد
مبارک شاہ کے پاس قاہرہ میں جا کر پڑھو، ان کا پڑھانا میرا پڑھانا ہے اور ساتھ
میں سفارش بھی لکھ دی۔

چنانچہ وہ قاہرہ پہنچ کر مبارک شاہ سے ملے، استاذ کی سفارش پر حلقۂ درس
میں داخلہ کی اجازت تو مل گئی، مگر مستقل درس مقرر نہ ہوسکا، مبارک شاہ کا مکان
مدرسہ سے بالکل متصل تھا اور اس کا دروازہ بھی مدرسہ ہی کی جانب تھا، ایک مرتبہ
یہ دیکھنے کے لئے کہ طلبہ کیا کر رہے ہیں، رات کو چپ چاپ نکلے اور جس حجرے
میں میر سید شریف مقیم تھے وہاں آئے، اس وقت میر سید شریف کتاب کا تکرار کر
رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''قَالَ الْمُصَنِّفُ کَذَا، قَالَ الْاُسْتَاذُ کَذَا وَاَقُوْلُ
کَذَا'' مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سننے لگے، میر صاحب کی تقریر کا
انداز بیان اتنا دلچسپ تھا کہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے لَحِقَهُ الْبَهْجَةُ وَالسُّرُوْرُ
بِحَيْثُ رَقَصَ فِي فِنَاءِ الْمَدْرَسَةِ استاذ کو مسرت وخوشی اتنی ہوئی کہ مدرسہ کے
صحن میں رقص کرنے لگے اور اس واقعہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ صبح سے ان کا
مستقل درس مقرر کر دیا۔

حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کا باہم علمی مباحثہ

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا
طالب علمی کا زمانہ قریب قریب یکجا گزرا ہے، دونوں بزرگوں میں علمی مباحثے اور
مذاکرے بھی خوب ہوتے تھے، کبھی کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جاتی تو گھنٹوں تک چلا کرتی
تھی، ان دونوں مشہور طالب علموں کا مباحثہ کچھ ایسا نہ ہوتا تھا جس کو دلچسپی کی نظر سے
نہ دیکھا جاتا، اساتذہ بڑے شوق اور تعجب سے اس بحث کو سنتے اور سر تا پا کان ہو کر اس

جانب متوجہ ہوجاتے تھے، کبھی لوگوں کے ڈھٹ لگ جاتے اور خاص و عام کا مجمع ہوجایا کرتا تھا، جانبین سے وہ نکتہ سنجیاں اور باریک بینیاں ہوتی تھیں کہ شاید و باید۔

ایک بار ایک استاذ نے دونوں کی گفتگو سن کر یوں فیصلہ فرمایا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

(تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور تکرار و مذاکرہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا مشہور قصہ ہے کہ انہوں نے ایک طالب علم سے جو کنز پڑھتا تھا اور مولانا کی خدمت میں تھا، پوچھا کہ کنز کا تکرار کیا یا نہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! حضرت! تکرار کیا، پوچھا کتنی مرتبہ؟ اس نے کہا تین مرتبہ، تو مولانا نے فرمایا واہ! ماشاء اللہ! آپ تو بڑے ذہین معلوم ہوتے ہیں، ہم نے تو اپنے پڑھنے کے زمانے میں کنز کا اکیس مرتبہ تکرار کیا اور ہر مرتبہ نئی بات سمجھ میں آتی تھی۔

ساتواں ادب

طالب علم اور مطالعہ و کتب بینی

علم کی ترقی اور مضبوط استعداد پیدا کرنے کے لئے مطالعہ و کتب بینی نہایت ضروری ہے، یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ جتنے بھی لوگ علمی میدان میں بام عروج پر پہنچے ہیں وہ مطالعہ کی راہ سے ہی پہنچے ہیں، اس کے بغیر نہ استعداد پیدا ہوسکتی ہے نہ علم میں کمال آسکتا ہے۔

لہٰذا طالب علم پر ضروری ہے کہ وہ مطالعہ و کتب بینی کو اپنے لئے لازم قرار دے، اپنی زندگی کا اہم معمول بنا دے، اسی سے علوم تازہ رہتے ہیں، اسباق یاد رہتے ہیں، دن بدن ترقی ہوتی رہتی ہے۔

امام بخاریؒ سے پوچھا گیا حفظ کی دوا کیا ہے؟ تو فرمایا کتب بینی۔

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ مطالعہ کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑا رنگنے کے لئے پہلے اس کو دھولیا جاتا ہے، پھر رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے، اگر پہلے دھویا نہ جائے تو کپڑے پر داغ پڑ جاتے ہیں، اسی طرح مطالعہ نہ کیا جائے تو مضمون اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

نیز ایک جگہ فرمایا مطالعہ مفتاح استعداد یعنی استعداد کی کنجی ہے اسی کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت)

مطالعہ کا کیف اور اس کی لذت

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ روزانہ اسباق کا پابندی سے مطالعہ اپنے اوپر لازم کرلے، اس کے علاوہ خارجی کتب کا مطالعہ بھی کرتا رہے، اس کے لئے کچھ صفحات کی ایک مقدار طے کرلے اور اس کو پورا کرنے پر مواظبت کرے، حتی الامکان ناغہ نہ ہونے دے، جب اس کی عادت ہوجائے گی تو علمی ذوق پیدا ہوگا، مطالعہ کرنے میں عجیب کیف اور لذت حاصل ہوگی، پھر رات کے سناٹے میں جب لوگ سورہے ہوں گے یہ طالب علم اپنی کتابیں لئے مطالعہ میں محو ہوگا اور کتاب کو حل کرنے کے درپے ہوگا اور مشکل عبارتیں بڑی محنت و مشقت اور کدو کاوش کے بعد جب حل ہوں گی تو اس پر اس کو جو فرحت حاصل ہوگی اور لذت و سرور کی جو کیفیت پیدا ہوگی وہ الفاظ سے بالاتر ہے، اس کو تو وہی جان سکتا ہے جس کو یہ لذت حاصل ہو۔

امام محمدؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ رات رات بھر مطالعہ کے لئے جاگتے تھے، ان کے سامنے کتابوں کے ڈھیر لگے ہوتے تھے، جب ایک فن کی کتابوں سے طبیعت اکتا جاتی تو دوسرے فن کا مطالعہ شروع کردیتے تھے۔

جب آپ راتوں کو جاگتے اور کوئی مشکل مسئلہ حل ہوتا تو بڑے مسرت بھرے انداز میں فرماتے، بھلا شاہزادوں کو یہ لذت کہاں نصیب ہوسکتی ہے؟

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

ابوالقاسم اسماعیل بن ابی الحسن عباد کو جو ایک بڑے عالم و فاضل تھے، خلیفہ نوح بن منصور نے جو شاہان بنی ساسان سے تھا وزارت کی درخواست کرتے ہوئے ایک مرتبہ لکھا کہ

"میں تمہیں اپنا وزیر بنانا چاہتا ہوں، اور ملک کے انتظامات تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں"

تو ابوالقاسم نے جواباً لکھا کہ مجھے وزارت سے معاف رکھئے، کتابوں ہی میں مجھے وزارت کیا بادشاہی کا مزہ آرہا ہے"

(تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات)

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو

جب مطالعہ کی لذت اور مزہ حاصل ہوجاتا ہے تو پھر مطالعہ کے بغیر چین نہیں آتا، جب تک مطالعہ نہ ہو اور مطالعہ کے لئے طے کردہ صفحات کی مقدار پوری نہ ہو، طبیعت اچاٹ سی رہتی ہے۔

چنانچہ ہمارے اسلاف کے مطالعہ اور مواظبت کے کئی ایک واقعات ہیں۔

سیدی حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ سیدی مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

ہمارے اسلاف اور علمی مطالعہ

حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر چالیس سال اس حال میں گذرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہتی تھی۔ (جامع بیان العلم)

شیخ ابن سینا کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کوئی کتاب ہاتھ میں آتی تھی تو

بغیر اس کو پورا کئے نہیں رکھتے تھے اور یہی نہیں کہ پڑھ کر رکھدی بلکہ اس کو پورے طور پر سمجھ کر اور اس کا تمام مطلب و ماحصل گنجینۂ دماغ میں بھر کر چھوڑتے تھے راتیں جاگ کر کتب بینی میں بسر کرتے اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو پانی پیتے اور تازہ دم ہوکر پھر کتاب دیکھنے لگتے۔ (ظفر المحصلین)

امام شافعیؒ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی نے اپنے استاذ کی ایک کتاب کا پچاس مرتبہ مطالعہ کیا، اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھ کو نئے فوائد حاصل ہوتے گئے۔

امام جاحظ لیثی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کتب بینی کے بڑے شوقین تھے، جو کتاب ہاتھ میں آتی اسے ختم کرنے سے قبل ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، کاتبوں اور کاغذ فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لیتے اور ان میں بیٹھ کر مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

امام محمدؒ کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ پوری پوری رات علمی کتابوں کے پیچھے گذارتے تھے، بہت تھوڑی دیر آرام کرکے فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، آپ کی والدہ نے ایک مرتبہ کہا کہ اپنے نفس پر ظلم وزیادتی کیوں کرتے ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ امی جان! لوگوں نے اپنے علم کے لئے مجھ پر اعتماد کیا ہے اور وہ سو گئے ہیں اور یہ سمجھ لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہوگی تو مجھ سے پوچھ لیں گے، اس لئے میں رات کو سونہیں سکتا۔

پوری رات کبھی اس کتاب کو کبھی اس کتاب کو دیکھنے میں گذار دیتے، مطالعہ کے دوران آپ اپنی رومی باندی سے بدن پر پانی چھڑکوایا کرتے، دریافت کرنے پر یہ وجہ بتلائی کہ علم ایک بھاری چیز ہے، اس کو دیکھتے دیکھتے جب تھک جاتا ہوں تو دوسری کتاب اٹھاتا ہوں اور بدن میں گرمی پیدا ہوجانے کی وجہ سے نیند آنے لگتی ہے تو کپڑا اتار دیتا ہوں، پھر بھی نیند آنے لگتی ہے تو اپنے بدن پر پانی چھڑکوایا کرتا

ہوں، تاکہ نیند اڑ جائے کیونکہ کہا گیا ہے اَلْعِلْمُ لَایُعْطِیْکَ بَعْضَہٗ حَتّٰی تُعْطِیَہٗ کُلَّکَ علم کے جب تک تم پورے حوالے نہیں ہو جاؤ گے، علم تمہیں اپنا بعض بھی نہیں دے گا۔ (مبادیات فقہ)

حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر محنتی تھے کہ شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے، کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے تھے، اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گذرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہ میں ڈوبا جاتا ہے، مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو خبر نہ ہوتی، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے اور صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ (آپ بیتی)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی حضرت شاہ عبدالحق صاحب کے متعلق ''نظام تعلیم وتربیت'' میں لکھتے ہیں کہ جب مطالعہ کرتے کرتے آدھی رات سے زیادہ گذر جاتی تو والد صاحب ازراہ شفقت فرماتے بابا! کیا کر رہے ہو؟ میں جلدی سے لیٹ کر کہتا کہ سویا ہوا ہوں، کیا ارشاد ہے؟ اس کے تھوڑی دیر بعد اٹھ جاتا اور پھر مطالعہ میں لگ جاتا، شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ چراغ بعض مرتبہ میری دستار اور بال میں لگ جاتا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلتا۔

شب بیداری اور ذوق مطالعہ

ابن الانباری کہتے ہیں کہ ابوعبیدہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے ایک ثلث تو اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ راز و نیاز میں گذارتے تھے، ایک ثلث صحت وتندرستی کی خاطر آرام فرماتے اور تیسرا ثلث مطالعہ کتب اور علمی انہماک میں صرف ہوتا تھا۔

محمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ امام محمدؒ نے رات کے تین حصے کر دئے تھے، ایک

حصہ سونے کیلئے، ایک نماز کے واسطے اور ایک درس کے لئے، وہ بہت زیادہ جاگتے تھے، کسی نے پوچھا آپ سوتے کیوں نہیں؟ تو فرمایا میں کس طرح سو جاؤں حالانکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے سوئی ہوئی ہیں۔

امام غزالیؒ نے امام شافعیؒ کا بھی یہی معمول لکھا ہے۔

رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ یُقَسِّمُ اللَّیْلَ ثَلٰثَۃَ اَجْزَاءٍ ثُلُثًا لِلْعِلْمِ وَثُلُثًا لِلْعِبَادَۃِ وَثُلُثًا لِلنَّوْمِ (احیاء ۱/۴۲) مروی ہے کہ امام شافعی بھی رات کے تین حصے کرتے تھے، ایک ثلث علمی اشتغال میں گذرتا تھا، ایک ثلث عبادت کیلئے اور ایک ثلث آرام فرماتے تھے۔

عمرو بن دینار جو سفیان ثوری وشعبہ وغیرہ کے استاذ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کے شاگرد ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ "رات کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک ثلث تو آرام کیلئے تھا، دوسرے ثلث میں وہ حدیثیں یاد کرتے تھے اور تیسرے ثلث میں نمازیں پڑھتے تھے۔ (تدوین حدیث)

ابن الاعرابی اور ذوق مطالعہ

ابن الاعرابی کے بارے میں ثعلب لکھتے ہیں کہ محض اپنی یادداشت سے انہوں نے اتنا کثیر علم لکھایا کہ کئی اونٹوں کے بوجھ کے برابر ہے۔

ان کے ذوق کتب بینی کو بیان کرتے ہوئے احمد بن عمران کہتے ہیں کہ میں احمد بن محمد بن شجاع کی مجلس میں موجود تھا، انہوں نے اپنے خادم کو بھیجا کہ ابن الاعرابی کو بلا لائے، خادم نے لوٹ کر بیان کیا کہ ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ میرے پاس کچھ عرب آئے ہوئے ہیں، ان سے چھٹی پا کر آؤں گا حالانکہ میں نے خود دیکھا کہ اکیلے بیٹھے ہیں، کتابوں کا انبار سامنے لگا ہے، کبھی اس کتاب کو دیکھتے ہیں کبھی وہ کتاب اٹھا لیتے ہیں، تھوڑی دیر بعد ابن الاعرابی آگئے۔

ابن شجاع نے کہا سبحان اللہ! آپ نے ہمیں اپنی صحبت سے محروم رکھا

اور کہلا بھیجا کہ عرب آئے ہوئے ہیں، حالانکہ نوکر کہتا ہے، آپ کے پاس کتابوں کے سوا کوئی نہ تھا، اس پر ابن الاعرابی نے یہ شعر پڑھے۔

لَنَا جُلَسَاءُ مَا نُمِلُّ حَدِيْثَهُمْ   اَلِبَّاءُ مَأمُوْنُوْنَ غَيْبًا وَمَشْهَدًا

يُفِيْدُوْنَنَا مِنْ عِلْمِهِمْ عِلْمَ مَامَضٰى   عَقْلًا وَتَادِيْبًا وَرَأْيًا مُسَدَّدًا

ترجمہ: ہمارے ہم نشین ایسے ہیں کہ ان کی گفتگو ہمیں اکتاتی نہیں، یہ لوگ دانشمند اور ہر حال میں بے ضرر ہیں، یہ ہمنشین ہمارے دامن کو علم وادب اور عقل کی دولتوں سے بھرتے رہتے ہیں۔ (جامع بیان العلم)

امام زہری اور ذوق مطالعہ

امام زہریؒ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا تھا کہ ادھر ادھر کتابیں ہوتی تھیں اور وہ مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ ہوسکتا تھا کہ اسکے سوا کسی اور کی دل میں اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا ''وَاللّٰہِ لَھٰذِہِ الْکُتُبُ اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِر'' اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ذوق مطالعہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب تحصیل علم کیلئے دیوبند تشریف لے گئے اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں حجروں کی کمی کی بنا پر آپ کا مولانا مشیت اللہ صاحب کے ساتھ ایک مسجد کے حجرے میں قیام کرنا طے ہوا، یہ حجرہ دارالعلوم سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلہ پر تھا، انکے رفیق مولانا بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا یہ کشمیری نوجوان رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہا اور نصف شب کے بعد جب نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں کنڈی مار کر پڑ گیا اور تھوڑی دیر آنکھ جھپک کر اٹھا، اور وضو کر کے نوافل اور تہجد میں مشغول ہوگیا، نوافل سے فراغت ہوئی تو پھر مطالعہ میں مشغول ہوگیا۔ (تحفۃ المتعلمین)

حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا ذوق مطالعہ

حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دونوں ہم درس ساتھی تھے، مولانا انعام الحسن صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں،ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا،آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کراور اس کے ساتھ چائے پی کرسوجائیگا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائیگا ایک دن مولانا یوسف صاحب شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اسکے برعکس ترتیب رہتی تھی ۔ (سوانح حضرت مولانا یوسفؒ)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب اور ذوق مطالعہ

حضرت مولانا تقی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کو جب مدرسہ میں کھانے اور آرام کا وقفہ ہوتا تو میں اکثر دارالعلوم کے کتب خانے میں چلا جاتا تھا، وہ وقت ناظم کتب خانہ کا آرام کا ہوتا تھا،اس لئے ان کیلئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ میری وجہ سے چھٹی کے بعد بھی کتب خانے میں بیٹھے رہیں، چنانچہ میں نے انہیں باصرار اس بات پر آمادہ کرلیا کہ دوپہر کے وقفہ میں جب وہ گھر جانے لگیں تو مجھے کتب خانے کے اندر چھوڑ کر باہر سے تالا لگاجائیں ، چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے اور میں ساری دوپہر علم کے اس رنگارنگ باغ کی سیر کرتا رہتا تھا، فرماتے تھے کہ دارلعلوم دیوبند کے کتب خانے کی کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جو میری نظر سے نہ گذری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے پورا نہیں پڑھا تو کم ازکم اس کی ورق گردانی ضرور کرلی تھی، یہاں تک کہ جب تمام علوم وفنون کی

الماریاں ختم ہوگئیں تو میں نے ان الماریوں کا رخ کیا جنہیں کبھی کوئی ہاتھ نہیں لگاتا تھا، ان الماریوں میں چونکہ موضوع کے لحاظ سے کوئی ترتیب نہ تھی، اس لئے اس جنگل میں داخل ہونا لوگ بے سود سمجھتے تھے، میں نے اشتات کے اس جنگل کو بھی کھنگالا اور اس کے نتیجے میں ایسی ایسی کتابوں تک میری رسائی ہوئی جو گوشۂ گمنامی میں ہونے کی بناء پر قابل استفادہ نہ رہی تھیں، کتب خانہ کے اس سروے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے وسیع وعریض کتب خانہ میں مجھے بحمد للہ یہ معلوم رہتا تھا کہ کون کونسی کتابیں کس موضوع پر اور کہاں رکھی ہیں؟ چنانچہ بسا اوقات ناظم کتب خانہ کسی کتاب کی تلاش سے مایوس ہوجاتے تو مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ فلاں کتاب کہاں ملے گی؟

آٹھواں ادب

طالب علم۔ اور کامل یکسوئی وعلمی انہماک

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ طالب علم کیلئے بہت سے آداب وشرائط ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ طالب علم تمام چیزوں سے یکسو ہوکر تحصیل علم میں منہمک ہوجائے۔

اپنے آپ کو علم کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ رکھے، اہل وعیال اور وطن سے دور جاکر علم حاصل کرے، تاکہ خانگی ضروریات مشغول نہ بنائیں کہ تعلقات ہمیشہ علم سے محرومی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے ''مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ'' اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے اندر دو دل نہیں بنائے ہیں۔

مثل مشہور ہے ''اَلْعِلْمُ لَایُعْطِیْکَ بَعْضَہٗ حَتّٰی تُعْطِیَہٗ کُلَّکَ'' علم اس وقت تک تجھے اپنا تھوڑا سا حصہ بھی نہ دیگا جب تک تو اپنے آپ کو پورا اس کے

حوالہ نہ کردے۔

آگے مثال دے کر فرماتے ہیں کہ جو دل مختلف فکروں میں بٹا ہوا ہو اس کی مثال کھیت کی اس نالی کی طرح ہے جس کی ڈول بنی ہوئی نہ ہو، اس کے پانی کا کچھ حصہ ادھر ادھر چلا جائیگا، کچھ ہوا بن کر اڑ جائیگا، کچھ حصہ کو زمین جذب کر لے گی، صرف تھوڑا سا پانی رہے گا جو کھیت کیلئے کار آمد نہ ہو سکے گا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "اِذَا کُنْتَ فِی اَمْرٍ فَکُنْ فِیْهِ" جب تم کسی کام میں لگو تو پورے طور پر اس میں منہمک ہو جاؤ۔

ذہنی انتشار باعث حرمان

لہٰذا طالب علم کو تمام چیزوں سے یکسو ہو کر پورے طور پر علم کے پیچھے لگے رہنا چاہیئے، کسی اور طرف ذہن منتشر نہ ہو، نہ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے درپے ہو جو آج کل طلبہ کا عمومی مرض ہے، اسی طرح نہ تزئین اور بناؤ سنگھار میں وقت ضائع کرے۔

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے بکثرت دیکھا ہے کہ جو طلباء مسکن و ملبس کی تزئین (لباس و رہائش کی ٹیپ ٹاپ) میں زیادہ رہتے ہیں وہ کمال سے محروم رہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا منشاء مقصود میں انہاک تھا، جب توجہ تزئین کی طرف ہوئی تو مقصود میں مشغولی نہ ہوگی، اس کیلئے حرمان لازم ہے۔

(مواعظ حکیم الامت)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے میں کسی اور طرف توجہ ہونا تعلیم کو برباد کرنا ہے، طالب علم کیلئے یکسوئی اور جمعیت قلب ضروری ہے، اس کے برباد ہونے سے تعلیم برباد ہو جاتی ہے۔

میں نے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہونے کی درخواست کی تھی، تو اس پر حضرت نے فرمایا تھا کہ جب تک کتابیں ختم نہ

ہوجائیں اس خیال کو شیطانی خیال سمجھنا، اس پر حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے۔
واقعی یہ حضرات بڑے حکیم ہیں، کیسی عجیب بات فرمائی، ایک وقت میں قلب دوطرف متوجہ نہیں ہوتا، پس ضروری کو غیر ضروری پر ترجیح دینا چاہئے۔
(الافاضات الیومیہ)
پس زمانۂ طالب علمی میں علم ہی کے پیچھے لگا رہے، کوئی دوسرا مشغلہ نہ ہو۔ شغل علم میں یہ حالت رہے کہ چوں میرد مبتلا میرد چوں خیزد مبتلا خیزد۔

اسلاف کا علم میں کامل انہماک

ہمارے اسلاف واکابر کا علم میں کامل انہماک تھا، ساری چیزوں سے یکسو ہوکر صرف اسی کی دھن میں مست تھے، علم کے ماوراء سے بے خبر تھے۔
امام محمدؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کے تلمیذ خاص محمد بن سماعہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کا مطالعہ میں اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو سلام کرتا تو انہماک اور بے خبری میں جواب دینے کے بجائے اس کیلئے دعا کرنے لگتے۔
آپ بیتی میں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ میں علمی انہماک اس درجہ کا تھا کہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک جھلنگا پر پڑے رہتے تھے، روٹی ایک وقت پکواکر کئی کئی وقت تک ایسے ہی روکھے کھاتے رہتے تھے۔
حضرت مولانا یعقوب صاحب نے اپنے ملازم کو کہہ رکھا تھا کہ کھانے کے وقت ان کو سالن دیدیا کرو، بڑی دقت اور اصرار سے کبھی لے لیتے تھے۔
حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحبؒ فرماتے تھے کہ میں دارالعلوم دیوبند میں تنقید وتبصرہ کے زمانے میں چارسال تک ایک ہی حجرہ میں رہا، مدرسہ کے طلباء سے تو پہچان کیا ہوتی، حجرہ کے طلباء کا بھی نام اور گاؤں نہیں جانتا تھا، اگر کوئی طالب علم نام پوچھتا تو بتلا دیتا، پھر دوسرا سوال کرتا تو کہتا کہ میں تعارف کیلئے نہیں آیا ہوں پڑھتا یا تنہا تفریح کرتا تھا، یا مولانا مدنیؒ اور مولانا سید اصغرحسین صاحب

کی مجلس اور خدمت میں حاضری دیتا۔
تذکرۃ الرشید میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب دہلی میں پڑھتے تھے تو بسا اوقات کتابوں کے مطالعہ کے لئے آپ کے پاس چراغ بھی نہ ہوتا تھا، سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔
ایک روز شہزادے کی سواری ادھر سے گذر رہی تھی، شاہی چوبدار آگے آگے ''ہٹو بچو'' کہتے ہوئے چلے آرہے تھے، مگر آپ کتاب کے مطالعہ میں ایسے مصروف تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے قریب جاکر ڈانٹ کر کہا، کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شاہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ سے نہیں ہٹ رہے ہو، تو آپ نے جواب دیا، ہوں گے تمہارے شاہزادے! ابھی اگر کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔
حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ صبح کو دارالعلوم جاتے تو اکثر رات ہی کو واپسی ہوتی، بعض اوقات رات کو بھی مولسری کے درخت کے نیچے کھلے فرش پر سو جاتے، تکرار عموماً رات کو ہوتا تھا تو جب گھر واپسی ہوتی تو کبھی رات کا ایک بج جاتا کبھی دو، حضرت نے دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے مجھے دیں مگر ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی، بڑی منت وسماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی راتوں میں شوربہ اوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا، میں وہی کھا کر سو جایا کرتا۔
دیوبند آپ کا وطن تھا اور تمام اعزہ واقارب کے گھر یہیں تھے، لیکن طالب علمی میں ان کے یہاں جانے کا وقت بھی نہ ملتا، نہ محلے کے ہم عصر لڑکوں سے دوستانہ تعلقات کی نوبت آئی، حتی کہ آپ کو دیوبند کے تمام راستے بھی بخوبی معلوم

نہ تھے، تعلیمی انہماک کے باعث کسی اور کام کی فرصت ہی نہ تھی ، جب کچھ وقت ملتا حضرت شیخ الہند کی خدمت میں جا بیٹھتے۔" (بڑوں کا بچپن)

امام مسلمؒ کا علمی انہماک

امام مسلمؒ کی وفات کا واقعہ مشہور ہے آپ کے سامنے ایک حدیث کا ذکر آ گیا، لوگوں نے اس حدیث کے بارے میں امام صاحب سے دریافت کیا، سوئے اتفاق کہ امام مسلم کو وہ حدیث یاد نہ تھی ، وہاں سے اٹھ کر مکان پر تشریف لائے ، اور اپنے مجموعۂ حدیث میں اس کی تلاش وجستجو شروع کردی ، حدیث کی تلاش و چھان بین میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ سامنے کھجوروں کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا رکھا تھا، اس میں سے نکال نکال کر کھاتے جاتے تھے، لیکن حدیث کے انہماک اور فکر میں اس کی مطلق ان کو خبر نہیں ہوئی کہ اس بے خودی کی حالت میں کتنی کھجوریں کھاگئے ، آخر کار وہ حدیث مل گئی، لیکن کھجوروں کا پورا ٹوکرا ختم ہوگیا اور یہی واقعہ ان کی وفات کا سبب بن گیا۔ (تذکرۃ المحدثین)

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کا علمی انہماک

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری اپنی طالب علمی کے زمانے میں کسی کے خط کا جواب نہیں دیتے تھے ، بلکہ ہمیشہ علم میں منہمک رہتے تھے ، ایک موٹا گھڑا رکھا ہوا تھا، جتنے بھی خطوط آتے تھے اس میں ڈالتے رہتے تھے۔ فراغت کے بعد سب خطوط پڑھے تو مختلف طرح کی غمی اور خوشی کی باتیں لکھی ہوئی تھیں، کسی میں لکھا تھا تمہارے بھتیجا پیدا ہوا ہے تو فرمایا الحمدللہ، کسی میں لکھا تھا چچی کا انتقال ہوگیا تو فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" غرض تھوڑی دیر میں سارے خطوط پڑھ ڈالے۔

مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کا علمی انہماک

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی ایک روز کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے

،دوران مطالعہ پانی طلب کیا، انکے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوا کہ مطالعہ کے دوران ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا، حکم دیا کہ بجائے پانی کے انڈی کا تیل جو وہاں رکھا ہوا تھا دے دیا جائے، مولانا عبدالحئی صاحب نے گلاس منہ میں لگایا تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی؟ اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے، والد کا فکر دور ہوا اور کہا کہ امید ہے کہ پڑھ لے گا، والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے، اس لئے صاحبزادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا۔

مولانا یحییٰ صاحب کا علمی انہماک

حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی ؒ کا انہماک اور یکسوئی دیکھئے، فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ مہینے نظام الدین کے حجرے میں ایسے گذارے ہیں کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں؟ بجز ان دو لڑکوں کے جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کا پانی لانا مقرر تھا۔

چنانچہ اس دوران کاندھلہ سے میرے نکاح کا تار آیا تھا، تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ کافی مدت سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا ہے؟ غرض اسی دوران میں نے بخاری شریف، سیرت بن ہشام، طحاوی شریف، ہدایہ اور فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہے کہ مجھے خود کو حیرت ہے، اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ممتحن تجویز ہوئے، اور تشریف لائے، امتحان میں میرے جوابات دیکھ کر یہ الفاظ فرمائے ''ایسے جوابات مدرس بھی نہیں لکھ سکتا۔ (تذکرۃ الخلیل)

نواں ادب

طالب علم اور استاذ کی تعظیم اور ادب واحترام

طالب علم کیلئے استاد کا ادب واحترام اور تعظیم نہایت ضروری ہے، اس کے

بغیر علم کی دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔

عادۃ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا، لہٰذا استاذ کا دل سے ادب واحترام کرے، اس کی تعظیم کرے، اس کا نام بھی احترام سے لے، اس کے ساتھ گفتگو میں اور دیگر تمام معاملات میں ادب سے پیش آئے۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

یَـٓاَیُّهَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـوْا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو
لَاتَقُوْلُوْرَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا	مت کہو ''راعنا'' اور کہو انتظار
وَاسْمَعُوْا (الآیة)	کرو ہمارا اور سنو۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے تابمعاملات چہ رسد (اصلاح انقلاب امت)

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ طالب علم علم سے منتفع ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ علم، علماء اور اساتذہ کا احترام نہ کرے، جس شخص نے جو کچھ حاصل کیا وہ ادب واحترام کی بدولت کیا ہے اور جو گرا ہے وہ بے حرمتی سے گرا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ آدمی گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ اور دین کے کسی جزو کی بے حرمتی کرنے سے کافر ہوجاتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔

ادب تاجیست از فضل الٰہی　　　بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

ادب فضل خداوندی کا ایک زبردست تاج ہے، اس کو سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلے جاؤ۔

تذکرۃ السامع والمتکلم میں لکھا ہے کہ طالب علم اپنے استاذ اور عالم کے کلام سے اسی وقت نفع اندوز ہوسکتا ہے، جب اس میں تین خصلتیں ہوں۔ (۱) تواضع (۲) علم کی حرص (۳) اور استاذ کی تعظیم، تواضع سے علم کی راہ کھلے گی، حرص وطلب پر علم کا فیضان ہوگا اور استاذ کی تعظیم سے استاذ مہربان ہوجائیگا۔

اساتذہ کے بعض آداب وحقوق

استاذ کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھے، جس سے تواضع اور خشوع وسکون مترشح ہوتا ہو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہے، کسی ساتھی کی طرف نہ دیکھے، نہ اشارہ کرے، نہ مسکرائے بغیر مجبوری دائیں، بائیں، اوپر، نیچے نہ دیکھے، کوئی شور سن کر مضطرب نہ ہو اور ادھر متوجہ نہ ہو، استاذ کے پاس بیٹھا ہوا آستین نہ چڑھائے، ہاتھ، پیر، دامن گھنڈی، بٹن سے نہ کھیلے، داڑھی اور منہ پر ہاتھ نہ رکھے، انگلیاں نہ چٹخائے، ناک، کان دانت نہ کریدے، زمین پر ہاتھ نہ رکھے، نہ اس پر لکیر بنائے، کاغذ، قلم وغیرہ سے فضول حرکت نہ کرے، پیچھے کو جھکا ہوا نہ بیٹھے، استاذ کی طرف پیٹھ یا پہلو نہ کرے، کسی چیز سے ٹیک نہ لگائے، تپائی وغیرہ کسی چیز پر ہاتھ ٹیک کر نہ بیٹھے، ہاتھ پر ٹیک اور سہارا لگا کر نہ بیٹھے، زیادہ بات نہ کرے، بغیر مجبوری کے نہ کھنکارے، نہ تھوکے نہ بلغم نکالے، چھینک آئے تو منہ چھپالے، جمائی لے تو منہ نہ کھلے، نہ آواز ہونے دے اور بائیں ہاتھ کی پشت سے ڈھانک لے، استاذ کے سامنے پان کھا کر نہ آئے اور درس میں اور بھی زیادہ خیال رکھے حتی کہ کتاب کا ورق بھی زور سے نہ کھولے، نہ کتاب کو تپائی پر زور سے رکھے نہ زور سے بند کرے، استاذ کے آگے نہ چلے، اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اس کے سامنے بلند آواز سے نہ بولے، اس کی منشاء معلوم کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہے اور اس کے مطابق عمل کرے، درس میں کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو اپنا قصور فہم سمجھے، استاذ سے بدگمانی نہ کرے، استاذ اگر کسی بات پر غصہ کرے تو اس کے سامنے منہ نہ

بنائے، بلکہ معذرت اور خوشامد کرے، استاذ کی بدخلقی کی سہار کرے، اس کی تندخوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑے، نہ اس کے کمال سے بداعتقاد ہو، بلکہ اس کے اقوال وافعال کی تاویل کرے، اس کی خدمت سے بلااذن نہ جاوے، خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً ،جس بات کے پوچھنے سے وہ منع کرے نہ پوچھا کرے، اس کی مخالفت یا اس کو تنگ نہ کرے، حالت بعد وغیبت میں بھی اس کے حقوق وآداب کا خیال رکھے، گاہ بگاہ تحفہ تحائف سے، خط وکتابت سے اس کا دل خوش کرتا رہے، غرض استاذ کی تعظیم اور ادب واحترام کا ہر موقع پر ہر طرح سے خیال رکھے۔

(افادات مسیح الامت)

اساتذہ کی تعظیم تعظیم خداوندی ہے۔

جو طالب علم، علم کا قدر دان ہوگا اور اس کو نعمت عظمیٰ اور دولت بے بہا یقین کریگا اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت ہوگی تو یقیناً اس کے دل میں استاد کی بھی عظمت ومحبت ہوگی کہ استاذ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیمات وہدایات کو پہنچانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور شریعت وسنت کو دوسروں تک پہنچانے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے، پس استاذ کی تعظیم وادب درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم وادب ہے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بوڑھے مسلمان اور عالم وحافظ قرآن اور عادل بادشاہ کی عزت کرنا خدا ہی کی تعظیم کی بات ہے۔ (حوالۂ بالا)

ادب واحترام سے خیر وبرکت کا دروازہ کھلتا ہے

حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں ہے کہ مجھ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت کا تعلق

رکھنے کی بدولت عطا فرمایا ہے۔ (اشرف السوانح)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے اساتذہ کے ادب کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ آپ نے اگر کسی سے فارسی کتاب کا بھی سبق پڑھا تھا، اس کا بھی ادب کرتے تھے۔

نیز آپ کا ارشاد ہے۔ عادۃ اللہ جاری ہے کہ اساتذہ کی بے ادبی سے علم نہیں حاصل ہوتا۔ مَنْ لَاادَبَ لَہٗ لَاعِلْمَ لَہٗ

محمود غزنوی کے والد کا نام سبکتگین تھا، یہ معمولی درجہ کا سپاہی تھا، ایک دن اس کے یہاں ایک عالم مہمان ہوئے، تو اس نے اس عالم کا بہت اکرام کیا، اس کے احترام میں یہ سات قدم پیچھے چلتا تھا، اس اکرام واحترام کا اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا کہ بادشاہت ان کے گھر میں آئی اور سات پشتوں تک یہ بادشاہت کرتے رہے۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

اور یہ تو مشہور مثل ہے باادب بانصیب بےادب بےنصیب۔

استاذ اگر کسی پر ناراض ہو تو اس کو خوش کرنا چاہیے

جس طالب علم نے محض محنت ہی محنت کی ہو مگر اساتذہ کو راضی نہ رکھا ہو، تجربہ کرلیا جاوے کہ اس کو حقیقی علم ہرگز حاصل نہ ہوگا۔

نیز ارشاد فرمایا فہم سلیم اور تفقہ فی الدین اس کو حاصل ہوتا ہے جس نے توجہ سے پڑھا ہو اور اساتذہ کو راضی رکھا ہو۔

تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ استاذ کا دل جس قدر خوش رکھا جائیگا، اس قدر علم میں برکت ہوگی۔ (الافاضات الیومیہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ نسخہ تورات کا ہے آپ ؐ یہ سن کر خاموش ہورہے، حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اے عمر! روویں تجھ کو رونے والیاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کوتو دیکھ کہ ناخوشی کے آثار پائے جاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی فرمایا، پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غصہ سے اور اللہ کے رسول کے غصہ سے (رواہ الدارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاذ کا یہ ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔

(اصلاح انقلاب)

استاذ کا تکدر وانقباض محرومی کا باعث ہے

لہٰذا استاذ کو ہمیشہ راضی رکھنا چاہیئے اگر کسی وقت استاذ کی بے ادبی نافرمانی یا ایذارسانی ہوجائے تو فوراً نہایت نیاز وعجز سے معافی مانگ لے اور الفاظ معافی کے ساتھ اعضاء سے بھی عاجزی وانکساری اور ندامت ٹپکے، اگر دل میں ندامت ہوگی تو اعضاء سے بھی ندامت ٹپکے گی، اگر نہ بھی ہو تو بناوٹ کردے، اصل نہ ہو تو نقل ہی سہی، مگر تاخیر نہ کرے، کیونکہ اگر استاذ دنیادار ہوگا تو اس کی کدورت بڑھ جائے گی اور تمہارا نقصان ہوگا اور اگر وہ دیندار ہوگا تو کدورت وغیرہ خرافات کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا مگر طبعی رنج ہوگا اور یہ بھی طالب کیلئے مضر ہے، کیونکہ اس حالت میں انشراح قلب نہ رہے گا اور بغیر انشراح قلب نفع نہ ہوگا، اور تاخیر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی حجاب بڑھتا جائیگا۔

(رحمۃ المتعلمین)

اگر استاذ کی طرف سے کوئی بات خلاف مزاج پیش آئے تو بھی اپنے دل کو

صاف رکھے، اور یہ خیال کرے کہ ان سے علمی و دینی نفع حاصل ہو رہا ہے، اس لئے اپنے ظاہر سے بھی کوئی حرکت خلاف ادب واحترام ظاہر نہ ہونے دے کہ اس سے استاذ کے دل کے اندر تکدر وانقباض پیدا ہوگا اور نفع کا دروازہ بند ہوجائیگا۔

اگر استاذ کے کسی متعلق سے کوئی نامناسب بات پیش آجائے تو بھی یہ سمجھ کر درگذر کردے کہ مجھ کو ان سے دینی نفع پہنچ رہا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے ایک شخص سے کہا کہ اگر میں جانتا کہ آپ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں، تو نامناسب بات بھی نہ کہتا، استاذ کا درجہ تو پیر سے زیادہ ہے، اس کا تو اور پاس ولحاظ کرنا چاہیئے۔

استاذ پیر اور باپ کے درجات میں فرق مراتب

والدین، استاذ اور پیر کے رتبہ کی ترتیب میں حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مرتبہ باپ کا ہے، بعد کو استاذ ظاہری کا، پھر پیر کا۔

باپ موجد مادہ ہے، استاذ مادے کی ترتیب دینے والا ہے اور پیر مادۂ مرتبہ پر نقشہ بھرنے والا اور آراستہ کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ موجد مادہ کا مرتبہ زیادہ ہونا چاہیئے۔

بے ادبی وگستاخی کا انجام

استاذ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آنے والا اور اس کی شان میں گستاخی کرنے والا کبھی حقیقی علم کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، یا تو علم سے محروم ہوجاتا ہے، یا اس کا علم نفع بخش نہیں ہوتا، عام طور پر ضائع ہوجاتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مقبولان الٰہی یا اپنے محسن کی شان میں جو گستاخ ہوتا ہے، اس کی عقل مسخ ہوجاتی ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد طالب علم

انکی شان میں گستاخ تھے، ایک شخص نے کہا کہ تم شاگرد ہو، وہ تو تمہارے محسن ہیں، تمہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے، اس نے جواب دیا کہ محسن تو جب ہیں کہ جب مجھے ان کا پڑھایا ہوا کچھ یاد رہا ہو، مجھے تو کچھ یاد نہیں، پھر حضرت والا نے فرمایا ادھر اس نے گستاخی کی ادھر سلب ہونا شروع ہوگیا۔ (افادات حکیم الامت)

حضرت مولانا گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ علماء دین کی توہین اوران پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندران کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے، بلکہ فرمایا جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (تذکرہ الرشید)

حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی، دورہ کی تکمیل اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ سے کی ہے، کاندھلہ قریب تھا، مگر خود جانے کا نام تو کیا لیتا، والدہ ماجدہ کے اصرار پر حضرت خود مجھے امر فرماتے، تو سبق کے حرج کا عذر کردیا کرتا تھا۔

عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائیگا، اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا بار بار تقاضا ہے، جاؤ گھر ہو آؤ، تو میں کاندھلہ گیا اور فوراً واپس آ گیا، جو صاحب قرأت کیا کرتے تھے، ترمذی کا ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے، ہر چند میں نے اور دیگر شرکاء درس نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا۔

چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا، حضرت نے کہا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے، چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں، اتفاق سے اس دن بھی قاری وہی پہلے والے تھے، سبق کم ہونے پر انکو غصہ آیا، تو باب کے ختم پر ان کے منہ سے یہ نکل گیا کہ کوئی اور باب چھوٹ گیا ہو تو وہ بھی پڑھوا لو''

حضرت کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سرخ ہوگیا اور غصہ میں فرمایا ''چلو وہ تو باولا ہے۔'' چند ہی روز بعد یہ طالب علم باؤلا ہوگیا۔

اس زمانے میں کوے کا مسئلہ زوروں پر تھا، یہ طالب علم ایک بانس کے اوپر کوے کو باندھ کر سارے دن گنگوہ کی گلیوں میں یہ اعلان کرتا پھرتا کہ یہ کوا حلال ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَغَضَبِ رَسُوْلِکَ وَغَضَبِ اَوْلِیَائِکَ (تذکرہ الخلیل وآپ بیتی)

ہمارے اسلاف اور اساتذہ کا ادب واحترام

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوکر جارہے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس ان کو دیکھ کر قریب ہوگئے اور گھوڑے کی رکاب تھام لی، تو حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! ایسا نہ کیجئے، ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہمیں اپنے علماء کی اسی طرح تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت زید بن ثابت نے کہا مجھے اپنا ہاتھ دکھائیے، پھر ابن عباس کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں اپنے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اخلاق العلماء)

حضرت سعید بن جبیر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ مجھے حدیثیں سناتے تھے اگر اجازت دیتے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لوں تو ضرور چوم لیتا۔

امام ابویوسفؒ کے دل میں اپنے اساتذہ کی عظمت کا یہ حال تھا کہ عمرو بن حمادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابویوسف سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اپنے استاذ امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلی کی مجلس سے زیادہ محبوب میں نے کوئی مجلس نہیں دیکھی۔ ابوحنیفہ سے بڑا کوئی فقیہ اور ابن ابی لیلی سے بڑا کوئی قاضی نہیں دیکھا۔

امام مالک کے حلقۂ درس میں نہایت سکون ووقار رہتا تھا، طلبہ مؤدب اور خاموش بیٹھتے تھے، ادب وعظمت کی وجہ سے پوری مجلس پر ایک مقدس سکوت طاری رہتا تھا، جاہ وجلال اور شان وشکوہ سے کاشانۂ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں الٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو۔ (تذکرۃ المحدثین)

امام ربیع فرماتے ہیں کہ اپنے استاذ امام شافعی کے سامنے مجھ کو کبھی پانی پینے کی جرأت نہیں ہوئی۔

حضرت ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازے پر جاکر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ جب وہ خود ہی تشریف لاویں گے، اس وقت ملاقات کرلوں گا۔

حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کو اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس وتأدب ملحوظ تھا، اکثر اپنے اساتذہ کے مناقب ومحاسن بیان فرمایا کرتے اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر لایا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

مامون رشید اور استاذ کی عظمت واحترام

ابومحمد یزیدی مامون الرشید کے استاذ تھے، یزیدی خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اسے پڑھانے گیا، شہزادہ حرم خانہ میں تھا، میں نے اسے بلوا بھیجا، وہ نہ آیا، پھر دوسرا آدمی بھیجا۔ تب بھی نہ آیا، میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادے کو علم سے رغبت نہیں اور لہو ولعب میں وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔

یزیدیؒ کہتے ہیں کہ جب مامون محل سے باہر نکلا تو میں نے اس کی پٹائی کی وہ روتا جاتا تھا اور اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا، اتنے میں جعفر بن یحییٰ برمکی (وزیر) بھی آگیا، میں اٹھ کر باہر چلا یا آیا اور ڈرتا رہا کہ مامون کہیں جعفر سے میری شکایت نہ کردے، جب جعفر چلا گیا، تو میں پھر اسکے پاس گیا، اور اس سے کہا میں

تو ڈرتا تھا کہ کہیں تم میری شکایت جعفر سے ہی نہ کردو۔
مامون نے کہا جعفر تو ایک طرف میں اپنے باپ سے بھی کبھی اس کا تذکرہ نہ کروں گا، کیونکہ میں استاذ کی تنبیہ اور مار پیٹ کو باپ کی شفقت سے افضل سمجھتا ہوں۔ (نا قابل فراموش واقعات)

امام ابوحنیفہؒ اور حسن ادب

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک بھنگی سے دریافت کیا کہ کتا کب بالغ ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرنے لگے،اس کے بعد امام صاحب کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جب اس بھنگی کو دیکھتے تو ادب سے کھڑے ہوجاتے اور اس کا لحاظ کرتے کہ ایک بات کا علم مجھے اس بھنگی سے ہوا۔ اندازہ لگاؤ جب بھنگی کے ساتھ یہ حسن ادب ہے تو اپنے اساتذہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔
طبقات شعرانی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ؟ یہ دونوں حضرات تابعی تھے،تو امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل نہیں کہ ان حضرات کا نام بھی لیں ، فیصلہ فضیلت کا تو بڑی چیز ہے یہ حالت تھی اکابر کے ادب کی۔ (افاضات)

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور حسن ادب

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کو ایک موقع پر خنزیر کے بارے میں تحقیق کی ضرورت پیش آئی ، فقہی مسئلہ میں کسی جگہ خنزیر کا ذکر آیا تھا، تو لوگوں نے کہا یہ تو بھنگیوں سے معلوم ہوسکتا ہے ، وہی لوگ خنزیر پالتے ہیں۔ تو حضرت کے گھر میں جو بھنگی آتا تھا اس سے پوچھا کہ بھئی !خنزیر کے بارے میں اس بات میں تمہاری کیا تحقیق ہے؟ اس نے اصلیت بتلائی کہ یہ صورت ہوتی ہے، اس دن کے بعد سے جب وہ بھنگی آتا تو اس کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے اور فرماتے اس کے

ذریعہ مجھے ایک علم حاصل ہوا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حسن ادب

حضرت تھانویؒ سے حضرت شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پاک پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی گئی تو اس پر حضرت نے فرمایا، تقریظ لکھنا تو اس کا حق ہے جو ایک طرف مدح پر قادر ہو تو دوسری طرف قدح بھی کرسکتا ہو اور ہم تو حضرت کے شاگرد ہیں، ہم تو ان کی ہر چیز کی مدح ہی کریں گے، اگر ہم تقریظ لکھیں اور مدح کریں تو گویا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم قدح بھی کرسکتے ہیں اور اس کا بھی حق رکھتے ہیں اور اس کا قبیح و شنیع ہونا ظاہر ہے، چونکہ حضرت استاذ کی قدح گوشۂ تصور میں لانا بھی سوءِ ادبی، بے ادبی اور خلاف ادب ہے۔ (افادات مسیح الامت)

دسواں ادب

طالب علم۔ اور استاذ کی خدمت اور انکے ساتھ لگاؤ

علم کی حقیقی دولت حاصل کرنے کیلئے طالب علم پر اپنے استاذ کی خدمت اور ان کے ساتھ لگاؤ بہت ضروری ہے، اسی سے طالب علم دینی اور دنیوی ترقی کرتا ہے۔

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ''میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے، مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ جوتیاں کھائے نہیں آتا، دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین ان ہی نخروں سے آتا ہے، جس کا جی چاہے لے جس کا جی چاہے نہ لے، اکبر ایک اچھے شاعر تھے، ان کا کلام حکیمانہ ہوتا تھا، ان کا مصرعہ ہے۔ ؎

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

کتاب ادب الدنیا والدین میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے استاذ کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے، اگر ان دونوں چیزوں کو

اختیار کرے گا نفع کمائیگا اور چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔
ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ طلب علم کے سوا کسی چیز میں خوشامد کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔
حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف سکھایا، اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اور اگر چاہے تو آزاد کردے یا اپنا غلام رکھے۔
ارواح ثلثہ میں لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حیدرآباد کے دو نواب زادے پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے، حضرت کبھی کبھی ان سے پاؤں دبوایا کرتے تھے، ایک بار فرمایا کہ مجھ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ ان سے پاؤں دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔

استاذ کے احسان کی مکافات

استاذ حق تعالیٰ شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور علم دین کا واسطہ ہے، جس کے ذریعہ انسان اپنی اخروی زندگی سنوار سکتا ہے اور قعر مذلت سے نکل کر عزت کے منارے پر رونق افروز ہوسکتا ہے۔
استاذ کے بیشمار احسانات ہیں، جن سے طالب علم کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا، لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ استاذ کی خدمت کرتا رہے اور اس کو اپنے لئے سعادت اور فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

عَنْ اِبْنِ عُمَرؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَنَعَ اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْہُ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَاتُکَافِئُوْنَہٗ فَادْعُوْا اللّٰہَ حَتّٰی تَرَوْا اَنَّکُمْ قَدْ کَافَئْتُمُوْہُ، رواہُ احمد، ابو داؤد، والنسائی وغیرھم

جو شخص تم پر احسان کرے، اگر تم اس کو بدلہ دے سکتے ہو اور اس کی مکافات کرسکتے ہو تو کردو ورنہ اس کیلئے اتنی دعا کرو کہ تمہیں گمان ہونے لگے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کرسکتا ہے؟ جب اس کا احسان ہونا مسلم ہوگیا تو اس کی مکافات میں اس کی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہوگئی، جو حدیث ہٰذا میں مامور بہ ہے۔

(اصلاح انقلاب)

علامہ شعرانی نے عہود محمدیہ میں لکھا ہے کہ ہم لوگوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ علماء کرام کا اکرام کریں اور اعزاز کریں اور تعظیم کریں اور یہ کہ ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے احسانات کا بدلہ ادا کریں، چاہے ہم سب کچھ دیدیں اور خواہ مدت العمران کی خدمت کرتے رہیں۔

اس معاہدہ میں بہت سے طلبہ ومریدین کوتاہی کر رہے ہیں، حتی کہ بہت ہی خال خال افراد ہوں گے جو اپنے اساتذہ کے حقوق واجبہ ادا کرتے ہوں، یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری اور بھاری روگ ہے، جس سے علم کی اہانت کا پتہ چلتا ہے اور اس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کے ساتھ لاپرواہی کا پتہ چلتا ہے، جس نے ہم کو اس کا حکم فرمایا ہے۔

دیکھئے علامہ شعرانی نے استاذ کا حق کس قدر بھاری اور زبردست بتایا ہے کہ اپنا سب کچھ دے کر یا عمر بھر خدمت کرتے رہنے پر بھی بدلہ نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ ایک محقق کا ارشاد ہے۔

رَئَیْتُ اَحَقَّ الْحَقِّ حَقَّ الْمُعَلِّمِ ☆ وَاَوْجَبَهٗ حِفْظًا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٖ

لَقَدْ حُقَّ اَنْ یُّھْدٰی اِلَیْهِ کَرَامَةً ☆ لِتَعْلِیْمِ حَرْفٍ وَّاحِدٍ اَلْفُ دِرْھَمٖ

ترجمہ۔ سب سے بڑا حق تو معلم کا ہے، جس کی رعایت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، واقعی وہ شخص جس نے تم کو ایک لفظ سکھایا اس کا مستحق ہے کہ ہزار درھم اس کیلئے ہدیہ کئے جائیں (بلکہ اس کے احسان کے مقابلہ میں ہزار درھم کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے) (رسالہ اسٹرائک)

مکافات احسان کا اقل درجہ

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ استاذ کی جانی، مالی ہر طرح کی خدمت طالب علم پر ضروری ہے، اگر کسی طرح کی استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ یہ ہے کہ اس کے لئے دعائیں کرتا رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرُ اللّٰه رواہُ احمد والترمذی، جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اپنے استاذ حماد بن مسلم کوفی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے نماز پڑھی اور اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کی تو ساتھ ہی میں نے اپنے استاذ کو ضرور یاد کیا اور میرا یہ معمول ہے کہ جس سے بھی کچھ پڑھا ہے ان کیلئے بھی دعاء واستغفار کرتا ہوں۔ (اخلاق العلماء)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا مسلسل یہ معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد میں اپنے استاذ حضرت امام شافعی کے لئے دعاء واستغفار کرتا ہوں۔

امام احمد کے ایک صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ شافعی کون شخص ہیں؟ جن کیلئے آپ اتنی کثرت سے دعا کرتے ہیں، والد نے فرمایا بیٹے! شافعی اپنے علوم وفنون میں دنیا کے لئے مثل آفتاب کے ہیں اور لوگوں کے لئے مثل عافیت کے ہیں، کیا ان دونوں کا کوئی بدل وعوض ہوسکتا ہے؟

یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ میرا بھی چالیس سال سے یہ معمول ہے کہ ہر نماز کے بعد حضرت امام شافعیؒ کے لئے دعا واستغفار کرتا ہوں۔ (احیاء)

ان کے علاوہ ہمارے اسلاف واکابر کے اساتذہ وعلماء کی حقوق شناسی اور قدردانی کے سینکڑوں واقعات ہیں، جن کا احاطہ یہاں نہیں ہوسکتا۔

اساتذہ کی خدمت کے برکات وثمرات

کہنے والے نے صحیح کہا ہے ''ہر کہ خدمت کرد اومخدوم شد'' جو خادم بن کر زندگی گذارتا ہے وہ مستقبل میں مخدوم بنتا ہے، بزرگوں کے سینکڑوں واقعات ہیں کہ انہوں نے اپنے اساتذہ اور علماء دین کی تن دہی کے ساتھ خدمت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا زبردست مقام عطا فرمایا، ان کی زندگی میں بلندی کے منجملہ اسباب کے خدمت کا وصف نمایاں تھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو دنیا کا مخدوم بنا دیا۔

قاضی فخر الدین ارسابندی مصر میں رئیس الائمہ تھے، بادشاہ وقت بھی ان کا احترام کرتا تھا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ منصب صرف استاذ کی خدمت سے پایا ہے، علاوہ اور خدمت کے تیس سال تک برابر میں اپنے استاذ قاضی ابوزید دبوسی کا کھانا پکایا کرتا تھا اور بخیال ادب کبھی اس میں سے نہیں کھایا۔ (تحفۃ المتعلمین)

حضرت علامہ بلیاویؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو بھی اپنے استاذ کی خدمت کا بے پناہ شوق تھا، چنانچہ روزانہ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہوکر سر میں تیل مالش کیا کرتے تھے اور گھر سے درسگاہ تک اپنے استاذ کے ساتھ آیا کرتے تھے، حضرت الاستاذ بھی آپ پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔

(اقوال سلف)

حضرت اقدس مولانا قاری صدیق صاحب باندوی نے حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کے واسطے سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بنگالی طالب علم ڈابھیل میں حضرت والد صاحبؒ (علامہ انورشاہ صاحب کشمیری) کی خدمت کیا کرتا تھا، ذہن سے بہت کمزور تھا، محنت بھی زیادہ نہ کی تھی، سب طلبہ میں کمزور رہتا تھا، لیکن اللہ پاک نے اس سے دین کی بڑی خدمت لی، اس وقت وہ اپنے علاقہ

کے شیخ الاسلام ہیں، سفرحج میں ان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ یہ سب شاہ صاحب کی خدمت کا ثمرہ ہے۔

ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کی تصانیف کا جو ایک ہزار کے قریب ہیں، ذکر کر کے عرض کیا آپ نے اتنی تصانیف فرمائی ہیں تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی، حضرت نے فرمایا چند کتابیں دیکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱) حاجی امداداللہ ۲) حضرت مولانا یعقوب صاحب ۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم۔

ان کتابوں نے مجھے دوسری سب کتابوں سے بے نیاز کر دیا، مطلب یہ کہ یہ سب کچھ انہی اساتذہ کی تعظیم واعتقاد اور خدمت سے پایا ہے۔ (مجالس حکیم الامت)

طلبہ کا اساتذہ سے باہم ربط

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں طلبہ پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ واثر نہ جمتا تھا، طلبہ کو اپنے اساتذہ کے ساتھ خاص عقیدت ومحبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی، اب مزاج ومذاق بدل گئے، طلبہ واساتذہ میں وہ تعلق قائم نہیں رہا، اس لئے علمی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں بھی پختہ نہیں ہوتے، علمی استعداد اور عملی تربیت سب ہی کمزور ہو گئیں۔

اس لئے مدارس میں طلبہ کی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہے کہ طلبہ واساتذہ میں باہم ربط ومناسبت پیدا ہو۔

حضرت گنگوہی کو حضرت حاجی صاحب (امداداللہ مہاجر مکی) سے اس درجہ لگاؤ تھا کہ فرمایا کرتے تھے اگر مجلس میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت حاجی

صاحبؒ دونوں ہوں، تو ہم جنید کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے، وہ حضرت حاجی صاحب کے پیر ہوں گے، ہمارا تعلق تو حضرت حاجی صاحب سے ہے۔

دیر وحرم میں روشنی شمس وقمر سے ہو تو کیا ☆ مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

طلبہ کا اساتذہ سے تعلق اور اس کی حسی مثال

حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں طلبہ نے اساتذہ سے کنکشن کاٹ رکھا ہے، اس لئے علم وعمل میں نمایاں کمی ہوتی جارہی ہے، طلبہ میں صلاحیت اب بھی پائی جاتی ہے، بجلی کے بلب کی مثال دیا کرتے تھے اور فرماتے مولوی صاحب! بلب مختلف ہوتے ہیں، کوئی سو والٹس کا ہوتا ہے کوئی دوسو کا اور کوئی چالیس اور ساٹھ کا، مگر یہ اس وقت تک روشنی نہیں دے سکتا جب تک اس کا کنکشن پاور ہاؤس سے جڑ نہ جائے اور پاور ہاؤس اساتذہ ہوتے ہیں، جو طلبہ کنکشن نہیں جوڑتے وہ محروم رہتے ہیں۔ (اقوال سلف)

ہمارے اسلاف اور اساتذہ کی خدمت

ہمارے اسلاف جو دنیا میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے ہیں اور جن کے ذریعہ علم وہدایت کی روشنی پھیلی، اگر ان کی زندگی اور سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی زندگی میں علاوہ اور اوصاف کے اساتذہ کی خدمت ولگاؤ نمایاں نظر آئیگا۔

حضرت نافع مولی ابن عمرؓ جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور جلیل القدر تابعی فقیہ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک عبداللہ بن عمر کی خدمت کی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے اس عالم وفقیہ غلام پر بڑا ناز تھا، بہت چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نافع کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا ہے۔

حماد بن سلمہ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ امام ابوحنیفہ ہمارے گھر کی روئی

دھنتے تھے اور ہمارا دودھ ترکاری خرید کرلاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے، حماد امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔

اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد کے گھر کا یہ خادم تمام عالم کا مخدوم ہوگا۔ (آداب المتعلمین)

حضرت امام مالک ضعیف ہوگئے تھے، عصار کھنے کی ضرورت ہوتی تو بجائے عصا کے معن بن عیسیٰ ہوتے تھے، امام مالک ان کے کندھے پر سہارا دے کر چلا کرتے تھے۔

حماد بن سلمہ اور استاذ کی خدمت

حضرت حماد بن سلمہ اپنے شیخ حضرت ابراہیم نخعی کی خدمت میں برابر رہتے علم وفقہ بھی حاصل کرتے اور گھر کی خدمات بھی انجام دیتے، ابوالشیخ نے تاریخ اصفہان میں سند سے نقل کیا ہے کہ ”ابراہیم نخعی نے ایک دن حماد کو ایک درہم کا گوشت خریدنے کے لئے ٹوکری دے کر بھیجا، حماد کے باپ ایک سواری پر آرہے تھے، راستہ میں ملاقات ہوئی، حماد کے ہاتھ میں ٹوکری دیکھ کر ڈانٹا اور ہاتھ سے ٹوکری لے کر پھینک دی، پس جب ابراہیم کا انتقال ہوا تو اصحاب حدیث اور خراسانی لوگ آکر حماد کے والد مسلم بن یزید کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے، رات کا وقت تھا، حماد کے والد روشنی لے کر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی تلاش نہیں، ہم کو تو آپ کے لڑکے حماد سے کام ہے، تو وہ اندر گئے اور کہا بیٹا اٹھو! ان کے پاس جاؤ، اب میں سمجھا کہ ٹوکری نے تمہیں اس درجہ پر پہنچایا۔ (امداد الباری)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ صاحب کا حال

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہند جب اس سفر میں جانے لگے، جس میں قید کر کے مالٹا پہنچادئے گئے، تو ہمارے گھر

تشریف لائے، اس وقت دادی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا قاسم صاحب) حیات تھیں، دہلیز کے پاس پردہ کے پیچھے پیڑھا ڈالدیا گیا، اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اماجی! مجھے اپنی جوتیاں دیدیجئے، اندر سے جوتیاں دے دی گئیں، تو ان کو اپنے سرپر رکھ کر دیر تک روتے رہے اور فرمایا کہ میں اپنے استاذ (حضرت مولانا قاسم صاحب) کی خدمت کا حق ادا نہ کرسکا، اس کا مجھے افسوس ہے۔

(ملفوظات فقیہ الامت)

حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور استاذ کی خدمت

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے اساتذہ کی چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کیا۔

حضرت مولانا محمد جمیل صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہند کے یہاں ایک دفعہ بہت زیادہ مہمان آگئے تھے، بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا، لہٰذا دن بھر کی گندگی سے بھر ہوجاتا تھا، لیکن مجھے تعجب تھا کہ روزانہ صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک دن تمام رات اس راز کو معلوم کرنے کے لئے بیدار رہا اور دور سے جھانکتا رہا، پس جب رات کے دو بجے تو حضرت مدنی ٹوکرا لے کر پاخانہ میں داخل ہوئے اور پاخانہ ٹوکرے میں بھر کر جنگل کا رخ کیا، فوراً ہی میں نے جاکر راستہ روک لیا تو ارشاد فرمایا دیکھئے کسی سے تذکرہ نہ کیجئے گا۔ (بڑوں کا بچپن)

گیارھواں ادب

طالب علم اور دینی کتب اور آلاتِ علم کا ادب

علم کی راہ میں ترقی اور کامیابی کے منجملہ اسباب کے ایک امتیازی سبب

ادب ہے، مثل مشہور ہے ’’با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب‘‘

ادب واحترام سے انسان ترقی کے مراحل طے کرتا ہے اور بے ادبی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ سربلندی وسرخروئی حاصل نہیں کرپاتا بلکہ بسا اوقات ذلت ورسوائی سے دوچار ہوتا ہے۔

دین کی بنیاد ادب پر ہے، بے ادب کو یہ دولت حاصل نہیں ہوتی،

حضرت امام شافعیؒ کہا کرتے تھے کہ جو شخص دولت کے زور اور خودی کے گھمنڈ میں طالب علمی کرتا ہے وہ ناکام رہتا ہے، البتہ جس نے خاکساری، تنگ دستی اور احترام علم کے ساتھ طالب علمی کی وہ کامیاب ہوگا، (جامع البیان)

علم کا ادب واحترام اور علم کے تعلق سے ہر عالم وحافظ کا اور کتب علم کا اور آلات علم، کاغذ، قلم، دوات، رحل، تپائی وغیرہ کا، مدرسہ کا، درس گاہ کا ادب واحترام بھی ضروری ہے۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں دینی کتب اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے، کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃً جوتوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔

اسلاف کا دینی کتب اور آلات علم کا ادب

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے پاس ایک چمڑے کا بیگ تھا، کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑے میں لفظ ’’محمد اشرف علی‘‘ کندہ کرایا تھا، اس کا حضرت اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔

ایک لفافہ پر روشنائی گرگئی تھی تو اس پر حضرت نے یہ لکھ دیا کہ ’’بلا قصد روشنائی گرگئی‘‘ اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لئے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔

ہمارے اسلاف واکابر دینی کتب کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ حتی الامکان بے وضو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔

تعلیم المتعلم میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی موقع پر ان کو پیٹ کی شکایت ہوگئی تھی، جس کے سبب وضو نہیں رہتا تھا، ایک شب میں تقریباً سترہ دفعہ وضو کی ضرورت پیش آئی اور ہر مرتبہ انہوں نے وضو کیا۔

ضرار بن مرہ کہتے ہیں کہ بے وضو حدیث سنانے کو سلف صالحین مکروہ سمجھتے تھے۔

اسحٰق کہتے ہیں کہ اعمش کو جب حدیث روایت کرنا ہوتی اور باوضو نہ ہوتے تو تیمّم کر لیتے تھے۔

امام شریک خلیفہ مہدی کے لڑکوں کے استاذ تھے، خلیفہ مہدی کا ایک لڑکا آیا اور اس نے کھڑے کھڑے کوئی حدیث پوچھی، حضرت شریک نے کوئی توجہ نہ دی اس نے پھر پوچھا، آپ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا، لڑکے نے خفا ہو کر کہا کیا آپ شہزادوں کی تحقیر کرتے ہیں؟ امام شریک نے فرمایا، اہل علم کے نزدیک شہزادوں کی بہ نسبت علم کی زیادہ قدر وعظمت ہے، وہ اس کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتے، یہ سن کر شاہزادہ دوزانو بیٹھا اور امام شریک نے علمی باتوں کا جواب دیا۔

(ناقابل فراموش واقعات)

شعبہؒ کہتے ہیں کہ قتادہ وضو کے بغیر حدیث کبھی نہیں سناتے تھے، یہی حال جعفر بن محمد، امام مالک، سعید بن المسیب، وغیرہ علماء کا تھا۔

امام مالکؒ اور حدیث کا ادب واحترام

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ ہم لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے، ایک بچھو نے (جو اُن کے کپڑے میں کسی طرح گھس گیا) سولہ دفعہ ڈنک مارے، امام مالک کا چہرہ ہر ڈنک پر متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا تھا، لیکن حدیث

جس طرح بیان کررہے تھے کرتے رہے، درمیان میں اس کے سلسلہ کو نہ توڑا جب درس ختم ہوگیا اور لوگ ادھر ادھر ہوگئے، تب میں نے عرض کیا، آج آپ کا یہ کیا حال ہورہا تھا؟ تب وجہ بیان کی اور فرمایا کہ "اِنَّمَا صَبَرْتُ اِجْلَالًا لِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے احترام میں صبر وضبط کئے میں بیٹھا رہا۔ (تدوین حدیث)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور آلات علم کا ادب

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، اندر جاکر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے، جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کیلئے لگالیا جاتا تھا، فوراً گھبرا کر باہر آگئے اور نقطہ دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے، اس لئے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں" اللہ اکبر! یہ تھی ان حضرات کے ادب کی شان جس کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے۔ (استاذ وشاگرد کے حقوق)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور کتابوں کا ادب

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں کمرے میں ایک کھونٹی تھی، جس پر پرانے کپڑے ٹانگ دیا کرتے تھے، کبھی کبھی اور سے بھی یہ کام لے لیا کرتے تھے، مگر جب کسی اور سے یہ کام لیتے تو ہدایت فرماتے کہ دیکھ لینا تپائی کے اوپر کوئی کتاب تو نہیں رکھی ہے؟ کہ کبھی پرانے کپڑے اوپر ہوجائیں اور کتابیں نیچے رہ جائیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور کتابوں کا ادب

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کتاب کو

اپنے تابع نہیں کرتا، بلکہ خود ہی ہمیشہ کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کیا کرتا ہوں۔

چنانچہ سفر و حضر میں کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے، گویا شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔

یہ بھی خود ارشاد فرمایا کہ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک کبھی دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ میں نے بے وضو نہیں کیا۔ (حیات انور)

بارھواں ادب

طالب علم اور تعلیمی امور میں استاذ سے صلاح ومشورہ

طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے استاذ کا پورے طور پر منقاد ہو جائے اور استاذ کی رائے وتدبیر کا اپنے آپ کو پورا پابند بنالے اور اس کے سامنے ایسا رہے جیسے مریض ماہر طبیب کے سامنے رہتا ہے، اپنی دوا اور علاج کے سلسلہ میں اس کے مشورہ کا پابند رہتا ہے، اس کی پوری بات دھیان سے سنتا ہے اور خوشی سے قبول کرتا ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو استاذ کے تابع بنالے، اس کی خدمت کرے، اس کا احترام کرے اور یہ یقین کرلے کہ استاذ کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل بنانا عزت کا باعث ہے اور فروتنی کرنا باعث فخر ہے اور اس کے سامنے تواضع سے پیش آنا باعث رفعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا مقولہ ہے کہ ”علم کا احاطہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا علم میں انتخاب سے کام لو۔

حضرت ابن عباس کے شعر ہیں ؎

مَـا اَكْثَـرُ الْـعِلْمِ وَمَا اَوْسَعُهٗ ☆ مَـنْ ذَاالَّذِیْ یَقْدِرُاَنْ یَّجْمَعُهٗ
اِنْ كُنْـتَ لَابُدَّلَـهٗ طَـالِبًـا ☆ مُـحَـاوِلًا فَـالْـتَـمِـسْ اَنْفَعَـهٗ

ترجمہ۔علم کی کثرت ووسعت کا کیا ٹھکانا؟ کون اسے جمع کرسکتا ہے، جب علم حاصل کرنا ہےتو زیادہ سے زیادہ مفید علم کی تلاش کرو۔ (جامع البیان)

علم کا انتخاب استاذ سے کروانا چاہیئے

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ علم کا انتخاب خود اپنی رائے سے نہ کرے بلکہ استاذ ہی سے انتخاب کروانا چاہیئے، اس لئے کہ استاذ اپنے طویل تجربہ کی بناء پر بہت صحیح انتخاب کرے گا، جو شاگرد کی صلاحیت وقابلیت اور اس کے مذاق کے مطابق ہوگا۔

ہمارے شیخ برہان الدین صاحب ہدایہ فرماتے تھے کہ پہلے زمانے میں طلبہ اپنے پڑھنے پڑھانے کا معاملہ استاذ پر معلق رکھتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے تھے اور جب خود انتخاب کرنا شروع کردیا تو علم سے بھی محروم رہنے لگے،

امام محمد ابن اسماعیل بخاری نے امام محمد بن حسنؒ سے کتاب الصلوٰۃ پڑھنا شروع کیا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ تمہارے لئے علم حدیث کا پڑھنا مناسب اور موزوں ہے، کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم کو اس علم سے مناسبت ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنے استاذ کا مشورہ قبول کیا اور علم حدیث کی تحصیل شروع کردی ،تو اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو علم حدیث کے اعلیٰ درجہ پر فائق کیا اور دنیا جانتی ہے کہ بخاری قدوۃ المحدثین اور امیر المومنین فی الحدیث کے نام سے مشہور ہوئے،

شاگرد پر استاذ کی بات کا ماننا لازم ہے

استاذ جب کسی موقع پر شاگرد کی حالت کو دیکھ کر کوئی حکم کرے، تو بلا چوں چرا اسکو تسلیم کرنا ضروری ہے، بلکہ استاذ کے امر کو اپنے لئے باعث فخر سمجھے، استاذ کے سامنے اپنی کوئی رائے اور اختیار نہ رکھے، اپنے آپ کو بالکلیہ استاذ کے حوالہ کردے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امیر لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور کسی مصلحت سے یہ فرمایا، جب تک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ، اس کو مت پڑھنا، چنانچہ انہوں نے اسی کے موافق عمل کیا، (بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے، وہ یہ کہ استاذ اگر کسی کتاب کے پڑھنے سے کسی خاص وقت منع کرے، مثلاً اس کے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہے، اس مصلحت سے اس وقت پڑھنے سے منع کرتا ہے تو طالب علم کو چاہئے کہ اس پر عمل کرے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہرطرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر وقت عبادت تھا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین تک اس کے مطالعہ سے منع فرمایا اور ان صحابی نے ویسا ہی کیا۔ (اصلاح انقلاب امت)

ہر کتاب کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیئے

آج کل لوگ کثرت سے یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سنی خواہ اس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی یا دہریہ ہو یا مسلمان، پھر مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہو، غرض کچھ تفتیش نہیں کرتے اور اس کا مطالعہ شروع کردیتے ہیں، اس میں وہ مضامین بھی آگئے جو کسی مسئلہ سے متعلق اخبارات ورسائل میں چھپے رہتے ہیں، اس میں چند مضرتیں ہیں۔

بعض اوقات کم علمی کی وجہ سے یہ ہی امتیاز نہیں ہوتا کہ ان میں کون

سا مضمون صحیح ہے، کون سا غلط ہے۔

۱) کسی غلط بات کو صحیح سمجھ کر عقیدہ یا عمل میں خرابی کر بیٹھتے ہیں۔

۲) بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر غلط ہے مگر بعض مصنفین کا طرز بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہوجاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے اس کو غلط اور اس کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔

۳) اور بعض دفعہ اس کو گو قبول نہیں کرتا، مگر اور مذبذب ہو کر شک میں پڑ کر دل میں رکھتا ہے اور پریشان ہوتا ہے۔

اس طرح کی بہت ساری مضرتیں ہیں، لہٰذا ہر کتاب کا استاذ کی صلاح کے بغیر مطالعہ شروع نہ کر دے۔ (اصلاح انقلاب امت)

آج کل کے طلبہ کا حال

حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس زمانے میں مدارس عربیہ کے طلبہ میں بھی آزادی آگئی ہے، کسی کے تابع رہنا نہیں چاہتے، نہ کسی قاعدہ قانون کی پابندی کرنا چاہتے ہیں، خود بینی، خودرائی کے شکار ہو چکے ہیں، ان کے نزدیک نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ بڑا، ان کو کسی کا ادب ہے نہ لحاظ، اپنے نفس کے گھوڑے پر سوار ہیں، جدھر لے جاتا ہے، ادھر چلے جاتے ہیں، گویا ان پر ان کا نفس مستولی ہے، طبیعت ان پر غالب ہے، جو اس کا تقاضا ہوتا ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر سال باوجود صدہا طلبہ کی فراغت کے کام کے عالم نظر نہیں آتے، نہ تو علمی استعداد معلوم ہوتی ہے اور نہ عملی قوت وصلاحیت کا پتہ چلتا ہے، غرض قوت علمیہ وعملیہ دونوں ہی کا فقدان ہے، تو پھر کام ہو تو کیسے ہو، العیاذ باللہ۔ (تذکرہ مصلح الامۃ)

طلبہ کی خودرائی اور آزادی کا حال

آج کل طلبہ کا یہ حال ہوگیا ہے کہ خود کو استاذ کے تابع تو کیا بناتے خود استاذ پر حکم چلاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ علم سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت اقدس تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ کانپور کے ایک مدرسہ کے طالب علم نے مجھ سے خود بیان کیا کہ اس سال استاذ نے تو ''تصریح'' پڑھنے کی رائے دی تھی مگر میری زبان سے ''شرح چغمینی'' کا نام نکل گیا تھا، بس مجھے اسی کی ضد ہوگئی اور وہی شروع کر کے چھوڑی۔

اسی طرح ایک مدرسہ میں کسی کتاب کے ختم پر طلبہ اور استاذ کی یہ رائے ہوئی کہ شمس بازغہ ہونا چاہیئے، ایک طالب علم کی یہ رائے ہوئی کہ نہیں بلکہ ''صدرا'' ہونا چاہیئے، خیر شمس بازغہ ہی ہونا طے پایا۔

تو آپ رات کو استاذ کے پاس پہنچے، ان کو مکان سے باہر بلا کر کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! خیریت اسی میں ہے کہ صدرا ہو، اناللہ وانا الیہ راجعون،

بھلا اس حالت میں ان کم بختوں کو کیا علم حاصل ہوگا، بس کتابیں ختم کرلیں گے مگر علم جس کا نام ہے اس کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ (حسن العزیز)

علم کی خاطر عالم کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا

علم کی گرانمایہ دولت حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی تکالیف اور مشقتوں کو خندہ پیشانی کیساتھ برداشت کرتے رہنا چاہیئے اور تحصیل علم میں برابر لگے رہنا چاہیئے، کہ دنیا کی ادنیٰ شئی بھی بدون محنت ومشقت کے حاصل نہیں ہوتی،

ابو کثیرؒ کہتے ہیں کہ علم کی میراث سونے چاندی کی میراث سے بہتر ہے

اچھا دل اچھے موتی سے قیمتی ہے، علم تن آسانی کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔
ابو مسلم بن فہد کو مخاطب کرکے محمد بن حسن زبیدی نے خوب کہا ہے۔

اَبَا مُسْلِمٍ اِنَّ الْفَتٰی بِجَنَانِہٖ ☆ وَمَقُوْلِہٖ لَا بِالْمَرَاکِبِ وَاللُّبْسِ
وَلَیْسَ یُفِیْدُ الْعِلْمَ وَالْحِلْمَ وَالتُّقٰی ☆ اَبَا مُسْلِمٍ طُوْلُ الْقُعُوْدِ عَلَی الْکُرْسِی

ترجمہ: ابو مسلم آدمی اپنے دل اور زبان سے ہے نہ کہ اچھی اچھی سواریوں اور کپڑوں سے اور ابو مسلم کرسی پر لدے رہنے سے علم، عقل اور تقوی حاصل نہیں ہوسکتا، (جامع البیان)

کسی حکیم کا قول ہے۔ "مَنْ لَمْ یَحْتَمِلْ اَلَمَ التَّعَلُّمِ لَمْ یَذُقْ لَذَّۃَ الْعِلْمِ"
علم کی راہ میں جس نے مشقتیں نہیں اٹھائیں، اس نے علم کا مزہ چکھا ہی نہیں۔
سحنون کا مقولہ ہے کہ "علم اسے راس نہیں آسکتا جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔
امام مالک کا قول ہے" یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی راہ میں فقر وفاقہ کی لذت چکھی نہ جائے۔
کہنے والے نے صحیح کہا ہے۔

تَمَنَّیْتَ اَنْ تُصْبِحَ فَقِیْھًا مُنَاظِرًا ☆ بِغَیْرِ عِنَاءٍ وَالْجُنُوْنُ فُنُوْنُ
وَلَیْسَ اِکْتِسَابُ الْمَالِ دُوْنَ مَشَقَّۃٍ ☆ تَحَمَّلُھَا فَالْعِلْمُ کَیْفَ یَکُوْنُ

ترجمہ: تمہاری خواہش ہے کہ بغیر تکلیف اور مشقت اٹھائے ہوئے بڑے فقیہ اور عالم بن جاؤ، یہ پاگل پن اور جنون ہے، کیونکہ جب مال و دولت کا حصول مشقت برداشت کئے بغیر نہیں ہوسکتا، تو پھر علم جو اس سے بدرجہا بلند وبالا ہے، اس کا حصول مشقت کے بغیر کیسے ہوسکتا ہے؟

شان وشوکت اور اسباب راحت کیساتھ علم نہیں آسکتا

حضرت مولانا نور الحسن صاحب کاندھلوی جو مشہور اکابر علماء میں ہیں، ان کے درس میں طلباء کا ہجوم رہتا تھا، شہرت سن کر ایک مرتبہ سورت (گجرات) کے ایک

رئیس زادہ تشریف لائے، کئی نوکر اور بہت کچھ سامان ان کے ساتھ تھا، نہایت شان وشوکت کا ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے کر رہائش کا انتظام کیا اور روزانہ لباس بدل کر سبق کے لئے آتے، ملازم کتاب لئے ساتھ ہوتا تھا، اسی طرح چند روز گذرے۔

حضرت مولانا نے جب ان کو ذکی اور ہونہار پایا تو ایک دن فرمایا کہ صاحبزادے باپ کی دولت کو اس طرح ضائع نہ کرو، اگر علم حاصل کرنا ہے تو یہ کپڑے اور یہ پیالہ لو اور مسجد میں دیگر طلباء کے ساتھ رہو، کھانا دونوں وقت گھر سے مل جایا کرے گا، اگر یہ نہیں ہوسکتا تو بیکار وقت اور دولت خراب نہ کرو، اس شان وشوکت کے ساتھ علم دین کی دولت ہاتھ نہیں آسکتی، انہوں نے پیالہ اور کپڑے ہاتھ میں لئے اور مسجد میں جاکر لباس تبدیل کیا اور ملازمین اور تمام سامان کو گھر واپس کردیا، پھر چند سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی، (مشائخ کاندھلہ)

جب طالب علم نازونعمت کی زندگی بسر کرے گا اور اسباب راحت کی فروانی ہوگی تو عام طور پر طلبہ علم کی دولت حاصل نہیں کرسکتے، بلکہ زیب وزینت اور راحت وآسائش کے چکر میں اس شعر کے مصداق ہورہتے ہیں۔

عمر گرانمایہ دریں صرف شد ☆ تاچہ خورم صیف وچہ پوشم شتا

عمر عزیز ساری اسی میں گذری کہ گرمی میں یہ فکر لگی ہے کہ کیا کھائیں گے، اور سردی کے زمانہ میں اس میں سرگرداں ہے کہ کیا پہنیں گے۔

درس گاہ نبوی کے طلبہ کا حال

فضالہ بن عبیدؓ کا بیان ہے (جس سے درسگاہ نبوی کے طلبہ کا حال معلوم ہوتا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تو اصحاب صفہ بھوک کی شدت کی وجہ سے کھڑے کھڑے زمین پر گرجاتے تھے اور اعراب ان کو مجنون ودیوانہ کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کے پاس آتے اور تسلی دیتے "لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَالَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ تَعَالٰى لَاَحْبَبْتُمْ اَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَحَاجَةً" اگر جان جاؤ کہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے کیا اجر وثواب ہے تو خواہش کرو گے کہ فقر و فاقہ میں اور زیادہ مبتلا رہو۔

طلحہ بن عمرو بصری لیثی اصحاب صفہ میں ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا، وہاں کوئی جان پہنچان والا نہیں تھا، اس لیے صفہ میں ایک آدمی کے ساتھ رہنے لگا، ہم دونوں کو روزانہ ایک مد کھجور ملتی تھی، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے اصحاب صفہ میں سے ایک شخص نے بڑھ کر کہا، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحْرَقَ التَّمْرُ بُطُوْنَنَا وَتَحَرَّفَتْ عَلَيْنَا الْحَرْفُ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کھجوروں نے ہمارے شکم جلادئے ہیں۔

اس شخص کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ مکہ میں مجھ پر اور میرے اصحاب پر دسوں دن گذرے ہیں، جن میں ہم نے صرف اراک کے پھل پر گذر بسر کیا ہے۔

(خیر القرون کی درسگاہیں)

اسلاف کا علم کے خاطر مشقتیں جھیلنا

امام مالک اپنے مشہور استاذ ربیعۃ الرائے کا حال بیان فرماتے ہیں کہ علم کی تلاش وجستجو میں ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ آخر میں گھر کی چھت کی کڑیاں تک بیچنی پڑیں اور اس حال سے بھی گذرنا پڑا کہ مزبلہ (جہاں آبادی کی خس وخاشاک ڈالی جاتی ہے) سے منقی یا کھجوروں کے ٹکڑے چن چن کر کھائے (تدوین حدیث)

امام طبرانی نے علم حدیث کی طلب میں بہت محنت ومشقت اٹھائی ہے، آپ کی وسعت معلومات کو دیکھ کر کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا علمی

خزانہ اس قدر مالا مال کیونکر ہوا؟ تو آپ نے فرمایا جان عزیز! تیس برس سے کمر نے بورئے کے سوا اور کسی بستر کا فائدہ نہیں اٹھایا۔

حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلب حدیث میں کیے، ان میں کبھی انہوں نے سواری کا سہارا نہیں لیا، سواری اور بار برداری دونوں کا کام وہ اپنے نفس ہی سے لیتے تھے، سفر پیادہ پا کرتے اور کتابوں کا پشتاڑ پشت پر ہوتا، مشقت پیادہ روی کبھی کبھی یہ رنگ لاتی تھی کہ پیشاب میں خون آنے لگتا تھا۔

ضعف ہو لاکھ مگر دشت نوردی نہ چھٹے

حشر تک چاہیئے مجنون کی طرح نام چلے (ظفر المحصلین)

حضرت امام بخاری نے چودہ برس کے سن میں سیاحت شروع کر دی تھی، ان کی والدہ اور خواہر سفر میں نگراں تھیں، بخاریٰ سے لے کر مصر تک سارے ممالک اس امام عالی مقام کے سفر میں ہیں۔

امام مالک کے حالات میں ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں آپ کے پاس ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا، مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے مصارف ضروریہ میں خرچ کرتے تھے، (امداد الباری)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ طالب علمی میں میں نے کبھی تازہ باسی روٹی یا دانہ دنکا، مٹھائی، کھٹائی اپنی زبان سے نہیں مانگی، اگر کسی نے دے دیا لے لیا اور کھالیا، ورنہ خیر، بعض دفعہ بھوک بہت لگتی مگر مانگنے کی تکلیف کو بھوک کی تکلیف پر گوارہ کر کے صبر کرتا اور جب مہینے دو مہینے میں دو چار روز کے واسطے گھر نانوتہ جاتے اور پھر دیوبند کی واپسی کا وقت قریب آتا تو آپ بھوک کی تکلیف کو یاد کر کے رو پڑتے۔ (آپ بیتی)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو تحصیل علم کے زمانے میں دہلی کے اندر جب بھوک ستاتی تو بازار کی طرف نکل جاتے اور سبزی فروشوں سے سبزی کے

جو پتے ادھر ادھر گر جاتے تھے، ان کو اٹھا کر لاتے اور دھو کر پکا لیتے، پھر لڈو تیار کر کے رکھ لیتے اور ایک ایک کر کے کھا لیتے، اس طرح بھوک کا دفعیہ کرتے۔ ؎

در حقیقت ہیں زمانے میں وہی خوش تقدیر
نام مرنے پہ بھی مٹتا نہیں جن کا زنہار

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب (والد ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب) نے طالب علمی کا پورا زمانہ عسرت اور تنگ دستی میں بسر کیا، ایک روز آپ گرمی کی دوپہر میں دارالعلوم کے اسباق سے تھک تھکا کر چھٹی کے وقت گھر پہنچے، تو والدہ نے آبدیدہ ہو کر اپنے لائق فرزند سے کہا: بیٹا آج تو گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے، البتہ ہماری زمین میں گندم کی فصل تیار کھڑی ہے، اگر تم اس میں سے کچھ گندم کاٹ لاؤ تو میں اس کو صاف کر کے آٹا پیس کر روٹی پکا دوں گی، سعادت مند بیٹا محنت اور بھوک سے درماندہ اسی گرمی کی دوپہر میں اپنی زمین کی طرف چل دیا اور وہاں سے جس قدر بوجھ اٹھا سکتا تھا اتنے گندم کاٹ کر لے آیا، والدہ نے اسے کوٹ چھان پیس کر آٹا بنایا اور روٹی پکائی، اس طرح ظہر کے وقت تک بھوک کا کچھ سامان ہوا، ظہر کے بعد اپنے اسباق کیلئے چلے گئے، ماں باپ اور بیٹے نے اسی فقر و فاقہ میں وقت گذارا مگر تعلیم میں فرق نہ آنے دیا۔ (بڑوں کا بچپن)

ابو حاتم رازیؒ اور علم کیلئے مشقتیں اٹھانا

ابو حاتم رازی جو علل کے امام ہیں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ''رَحَلَ وَهُوَ اَمْرَدُ'' یعنی سبزہ آغاز ہونے سے پہلے ہی طلب حدیث میں وطن سے نکل پڑے، برسوں سفر میں رہتے، وطن واپس لوٹتے اور پھر روانہ ہو جاتے، خود ان کا بیان امام ذہبی نے نقل کیا ہے۔

''اَوَّلُ مَارَحَلْتُ اَقَمْتُ سَبْعَ سِنِيْنَ'' (تذکرہ ۲/۲۳۱) پہلی دفعہ

گھر سے جب طلب حدیث میں نکلا تو سات سال تک سفر ہی میں رہا،

کہتے تھے کہ شروع میں کتنے میل چلا، اس کا خیال رکھا تھا، تین ہزار میل تک تو گنتا رہا، لیکن پھر گننا چھوڑ دیا، پیدل کتنی لمبی لمبی مسافتیں اس راہ میں انہوں نے طے کی تھیں، اس کا اندازہ خود انہی کے بیان سے کیجئے۔ فرماتے ہیں،

خَرَجْتُ مِنَ الْبَحْرَيْنِ اِلٰی مِصْرَ مَاشِيًا ثُمَّ اِلَی الرَّمْلَةِ مَاشِيًا ثُمَّ اِلٰی طَرْطُوْسَ وَلِی عِشْرُوْنَ سَنَةً

بحرین سے مصر پیدل گیا، پھر رملہ اور رملہ سے طرطوس کا سفر بھی پیدل ہی کیا، اس وقت میری عمر بیس سال کی تھی۔

اطلس اٹھا کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ بحرین (عرب) سے مصر، مصر سے رملہ (فلسطین) اور رملہ سے طرطوس کا فاصلہ کتنے ہزاروں میلوں کا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ اس قسم کے بے سنگ ومیل والے سفر میں کن کن حالات سے گذرنا پڑا ہوگا۔ (تدوین)

امام ابو یوسفؒ اور علم کی خاطر مشقتیں جھیلنا

امام ابو یوسفؒ پر ایک زمانہ وہ بھی گذرا ہے کہ کھانے کو جب کچھ نہ رہ گیا تو سسرال کے گھر کے چھپر کی کڑی نکال کر بازار بھیجی تاکہ جو پیسے اس سے حاصل ہوں ان سے خوراک کا سامان کیا جائے۔

حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر نے امام ابو یوسفؒ کا ایک لطیفہ نقل کیا ہے، خود فرماتے تھے کہ میرے ساتھ پڑھنے والوں کی یوں تو کافی تعداد تھی، لیکن بھائی! جس بیچارے کے دل کی دباغت دہی سے کی گئی تھی نفع اسی نے اٹھایا۔

پھر خود ہی دل کی اس دباغت کا مطلب بیان کرتے کہ ابوالعباس (سفاح)

عباسی کے ہاتھ میں جب خلافت کی باگ ڈور آئی اور کوفہ کے قریب ہی ہاشمیہ میں اس نے قیام اختیار کیا، تو اس نے مدینہ منورہ سے اہل علم وفضل کو وہیں طلب کیا میں نے اس موقع کو غنیمت خیال کیا اور ان لوگوں کے پاس استفادہ کے لئے حاضر ہونے لگا، میرے گھر کے لوگ میرے کھانے کا انتظام یہ کر دیتے تھے کہ چند روٹیاں ٹھوک لی جاتی تھیں اور دہی کے ساتھ بندہ کھا کر سویرے درس وافادہ کے حلقہ میں حاضر ہوجاتا، لیکن جو اس انتظام میں رہتے تھے کہ ان کے لئے ہریسہ، یا عصیدہ تیار ہولے تب اس کا ناشتہ کر کے جائیں گے، ظاہر ہے کہ ان کے وقت کا کافی حصہ اسی کی تیاری میں صرف ہوجاتا تھا، اسی لئے جو چیزیں مجھے معلوم ہوسکیں ان سے یہ عصیدہ اور ہریسہ والے حضرات محروم رہے۔ (حوالہ بالا)

امام شافعیؒ اور علم کے لئے مشقتیں جھیلنا

امام شافعیؒ اپنی ابتدائی طالب علمی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں یتیم بچہ تھا، ماں نے مکتب بھیجا، مگر گھر میں اتنا بھی انتظام نہ تھا کہ میاں جی کی خدمت کی جاتی، خوش قسمتی سے میاں جی اس پر راضی ہوگئے کہ جب باہر جایا کریں گے تو میں لڑکوں کی نگرانی کیا کروں گا، اس طرح جب میرا قرآن ختم ہوگیا تو مسجد میں علماء کے حلقوں میں حاضری دینے لگا، جو بھی حدیث یا مسئلہ سن لیتا فوراً یاد ہوجاتا، میری ماں اس قدر غریب تھیں کہ کاغذ کی قیمت بھی نہیں دے سکتی تھیں، مجبوراً چکنی ہڈیاں ڈھونڈتا پھرتا اور کوئی مل جاتی تو اٹھا لیتا اور اس پر لکھنا شروع کر دیتا، تحریر سے بھر جاتی اور جگہ باقی نہ رہتی تو اسے گھر کے ایک پرانے گھڑے میں احتیاط سے رکھ دیتا، اس طرح میری تعلیم چل رہی تھی۔ (جامع البیان)

امام بخاریؒ اور علم کی خاطر مشقتیں جھیلنا

امام بخاریؒ کیا امام بخاری یونہی ہو گئے تھے؟ نہیں بلکہ طالب علمی میں کن کن حالات سے دوچار ہوئے تھے۔

ان کے ایک رفیق درس عمر بن حفص الاسقر کے حوالہ سے خطیب نے لکھا ہے کہ ''بصرہ میں ہم محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (یعنی استاذوں سے سن کر حدیث روایت کرتے تھے) چند دنوں کے بعد محسوس ہوا کہ بخاری کئی دن سے درس میں نہیں آرہے ہیں، تلاش ہوئی کہ بیچارے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا، جہاں مقیم تھے، ڈھونڈتے ہوئے ہم لوگ وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ ایک اندھیری کوٹھری میں پڑے ہیں، بدن پر لباس نہیں ہے (یعنی جس لباس کو پہن کر لوگ باہر نکلا کرتے ہیں) دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ

''قَدْ نَفِدَ مَاعِنْدَهٗ وَلَمْ يَبْقَ مَعَهٗ شَيْئٌ'' جو کچھ ان کے پاس تھا، سب ختم ہو چکا، کچھ باقی نہ رہا جس سے وہ لباس تیار کرتے۔

آخر ہم لوگوں نے مل کر رقم جمع کی اور خرید کر کپڑا لائے، تب پہن کر بخاری پھر ہمارے ساتھ درسگاہ آنے جانے لگے۔

(تدوین حدیث بحوالہ تاریخ بغداد)

بحمدہٖ تعالیٰ طالب علمی کے ظاہری آداب یہاں پر تمام ہوئے اب اگلے اوراق میں باطنی آداب بیان کئے جائیں گے، وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

تعلیم و تعلم اور اس کے باطنی آداب

طالب علمی کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے اور حقیقی علم کی دولت کو حاصل کرنے کے لئے جیسے ظاہری آداب کو اختیار کرنا اور اس کی رعایت کرنا

ضروری ہے، جن کو ماقبل کے صفحات میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور تیرہ میں اس کا احصاء کیا ہے، ایسے ہی کچھ باطنی آداب کا اختیار کرنا اور ان کو بروئے کار لانا بھی ناگزیر ہے،ان باطنی آداب کو آئندہ صفحات میں بیان کیا جارہا ہے اور آٹھ میں ان کا احصاء کیا گیا ہے۔

پہلا ادب

طالب علم اور حسن نیت

تحصیل علم کے باطنی آداب میں سب سے مہتم بالشان اور اہم امر یہ ہے کہ طالب علم سب سے پہلے اپنی نیت کو درست کرے اور طلب علم کے صحیح مقصد کو متحضر رکھے، کیونکہ ہر عمل نیت کی درستگی سے ہی عنداللہ عمل بنتا ہے اور مقبول ہوتا ہے۔

پس علم دین بھی جب صحیح نیت سے حاصل کیا جاتا ہے تو قرب خداوندی کا ذریعہ اور باعث نجات بنتا ہے اور جب نیت فاسد ہوتی ہے تو یہی علم وبال جان اور باعث ضلالت بنتا ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے علم نیت سے شروع ہوتا ہے، پھر بتوجہ سماعت ہے پھر فہم ہے، پھر حفظ ہے، پھر عمل ہے، پھر علم کی ترویج ہے۔ (جامع)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ علم کی طلب اور اس کی نشرواشاعت اچھی چیز ہے اگر اس میں نیت اچھی ہو۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست ☆ جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ان کے صاحبزادے نے کہا کہ آپ خود مناظرہ کرتے ہیں اور ہم کو منع فرماتے ہیں، تو کیا ہی عمدہ جواب دیا کہ ہم مناظرہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم حق بات کو مان لیں گے اور تم میں یہ بات نہیں ہے، لہٰذا

تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔

عمل کا مدار نیت پر ہے

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں سب سے پہلے اسی روایت کو لا کر اس پر متنبہ کردیا کہ ہر عمل کے آغاز میں ہی نیت کو اور مقصد کو ٹٹول لینا اور درست کرلینا چاہیے۔

وہ روایت ہے ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَانَوٰی '' یقیناً اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور بلا شبہ ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرے۔

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ بہت سے اعمال بظاہر شکل وصورت میں دنیوی امور سے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ اعمال عبادات بن کر قرب الٰہی کا ذریعہ بنتے ہیں اور بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل وصورت میں اعمال آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن فساد نیت کی وجہ سے بے سود اور رائیگاں ہو جاتے ہیں۔

مدارس عربیہ میں پڑھنے والے طلبہ عام طور پر بد نیتی سے زیادہ بے نیتی کے شکار ہوتے ہیں کہ طلب علم میں ان کی کوئی نیت ہی نہیں ہوتی، کوئی مقصد ہی سامنے نہیں، منزل کا کوئی تعین ہی نہیں کہ ہمیں کہاں تک پہنچنا ہے، ہم کیوں پڑھ رہے ہیں، ہم سب کچھ چھوڑ کر اوقات فارغ کر کے مدرسہ میں کیوں آئے ہیں، بس لاابالی پن میں چل رہے ہیں۔

اور جیسے بدنیتی مضر ہے ایسے ہی بے نیتی بھی خسران وحرماں کا باعث بنتی ہے، لہٰذا طلبہ کو چاہئے کہ نہ بدنیتی ہو اور نہ بے نیتی ہو، بلکہ حسن نیت کے ساتھ علم حاصل کریں، اپنی نیت کو بار بار ٹٹولتے رہا کریں، اپنا مقصد متعین کریں، منزل کا

تعین کریں کہ بغیر اس کے مسافر راہ کی دشواریوں اور کٹھنائیوں سے سہولت و عافیت کے ساتھ سرعت رفتار سے جادۂ منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتا۔

طلب علم میں مقصد دنیوی وجاہت اور فخر ومباہات نہ ہو

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ طالب علم کے دل میں یہ نیت نہ ہونی چاہئے کہ لوگ اس کا اعزاز واکرام کریں گے، دنیا کے سامان عیش وراحت اس کی طرف کھینچ کر چلے آویں گے، بادشاہ اور بڑے لوگ اس کے لئے کرسیاں خالی کردیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِاَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ وَيُقْبِلَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ وَلِيَاخُذَبِهِ الْاَمْوَالَ	جو شخص چار چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے علم حاصل کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا، اس لئے کہ وہ علماء پر فخر کرے، جہلاء سے حجت کرے، مجلس میں اونچی جگہ بیٹھے

لوگوں سے مال حاصل کرے۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ علم کو تین کاموں کے لئے مت سیکھو، اور تین کاموں کی وجہ سے مت چھوڑ دو۔(۱) علماء سے جھگڑنے کیلئے (۲) لوگوں پر فخر کرنے کے لئے (۳) لوگوں کو دکھاوے کے لئے،

(۱) طلب سے شرماتے ہوئے، (۲) علم میں بے پرواہی کرتے ہوئے (۳) جہالت پر راضی رہتے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کرتے اور اسے اس کے اہل میں رکھتے، تو اپنے زمانے کے سردار بن جاتے مگر انہوں نے علم کی صحیح قدر نہیں جانی، جس کے نتیجے میں دنیا والوں کے سامنے ذلیل و

خوار ہوگئے۔

عراق کے کچھ لوگ حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث سنانے کی درخواست کی، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تم جانتے بھی ہو یہ حدیثیں محض رضاء الٰہی کے لئے حاصل کی جاتی ہیں، ورنہ جو کوئی ان سے دنیا کمانا چاہے گا ہرگز وہ جنت کی مہک نہ پائے گا۔ (جامع بیان العلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لِغَيْرِ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ جو شخص رضا الٰہی کے علاوہ دنیا کے لئے علم سیکھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

طلب علم میں نیت امام غزالی جیسی ہو

ایک روز بادشاہ وقت مدرسہ نظامیہ کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم دین پڑھنے سے ان طلبہ کی کیا غرضیں ہیں؟

چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لئے پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا میں اس لئے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے، اگر میں عالم بن جاؤں گا تو میں بھی قاضی بن جاؤں گا، اس کے بعد دوسرے سے پوچھا، تیسرے سے پوچھا، سب نے ایسی ہی اغراض بتلائیں، بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس کہ علم دین دنیا کے لئے پڑھا جارہا ہے اور ہزاروں روپئے مفت میں برباد ہورہے ہیں۔

ایک گوشہ میں ایک طالب علم خستگی کی حالت میں بیٹھا کتاب دیکھ رہا تھا، چلتے ہوئے اس سے بھی پوچھ لیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی ہے، جو آسمان و زمین کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اس کی مرضیات پر عمل

کیا جاوے اور نامرضیات سے بچا جاوے، سو میں اس لئے پڑھتا ہوں تا کہ اس کی مرضیات و نامرضیات کی اطلاع ہو، بادشاہ سن کر خوش ہوا اور ظاہر کیا کہ میں بادشاہ ہوں اور میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دونگا، مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا، یہی طالب علم بعد میں جا کر امام غزالی کے نام سے مشہور ہوئے اور زبردست علمی خدمات انجام دیں۔ (افادات حکیم الامت)

حسن نیت کا ثمرہ

موطا امام مالک کے راوی یحییٰ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان امام مالک کے پاس حدیث پڑھنے آیا تھا، پھر اس کی وفات ہوگئی تو علماء مدینہ اس کے جنازے میں حاضر ہوئے، حضرت ربیعہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی تجہیز و تکفین کی، اس کے بعد علماء مدینہ میں سے کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ بہت اچھی حالت میں ہے، انہوں نے حال پوچھا تو اس نوجوان نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی اور فرشتوں سے فرمایا کہ میرے اس بندے کی نیت درجۂ علماء تک پہنچنے کی تھی، لہٰذا اس کو وہاں پہنچا دو، سو میں ان کے ساتھ ہوں اور علماء جس کے منتظر ہیں میں بھی اس کا منتظر ہوں، خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ علماء کس چیز کے منتظر ہیں؟ اس نے کہا کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کے۔ (تحفۃ المتعلمین)

حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں امتحان کے نمبرات دیکھنے نہیں جاتا تھا، سوچتا کہ اللہ کے لئے پڑھ رہا ہوں تو نمبرات کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اساتذہ کے دل میں ڈال دیا تھا کہ ہر استاذ درس گاہ میں خود ہی بتلا دیتے کہ مسیح اللہ! تمہارا ہمارے پاس سب طلبہ سے زیادہ نمبر ہے۔

دوسرا ادب

طالب علم اور تقویٰ وطہارت

حقیقی علم کی دولت حاصل کرنے کے لئے تقویٰ شرط اولین ہے، اس کے بغیر علم کے الفاظ اور معلومات میں اضافہ تو ہوسکتا ہے، مگر علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! علم کی حقیقت کہ احکام کو صحیح صحیح سمجھ جائیں، میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ بدون تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتا، اگر دو آدمی ہم عمر ہوں اور ایک ہی استاذ سے انہوں نے پڑھا ہو، فہم و حافظے میں بھی برابر ہو لیکن فرق یہ ہو کہ ایک متقی ہو اور ایک نہ ہو تو متقی کے علم میں جو برکت اور نور ہوگا اور جیسا فہم اس کا صحیح ہوگا اور جیسے حقائق حقہ اس کے ذہن میں آئیں گے، وہ بات غیر متقی میں ہرگز نہ ہوگی، اگر چہ اصطلاحی عالم ہے اور کتابیں بھی پڑھا سکتا ہے مگر خالی اس سے کیا ہوتا ہے، اگر تقویٰ ہوگا تو علوم حقہ قلب پر وارد ہوں گے، اب بھی جس طالب علم کا دل چاہے تجربہ کرلے اور تقویٰ اختیار کر کے دیکھ لے کہ کیسے کیسے علوم حاصل ہوتے ہیں، اگر خلوص سے تقویٰ اختیار کیا جائے تو اس کی برکت کی تو حد نہیں، اگر خلوص نہ ہو تو امتحان کے لئے کر کے دیکھ لو، اسکی برکت بھی کچھ نہ کچھ دیکھ لو گے۔

لہٰذا طلبہ کو اہتمام کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا چاہئے اور تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کا استعمال شریعت میں دو معنی میں ہوتا ہے ایک ڈرنا، دوسرے بچنا

اور تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود تو بچنا ہی ہے یعنی معاصی سے مگر سبب اس کا ڈرنا ہے، کیونکہ جب کسی چیز کا خوف دل میں ہوتا ہے، جب ہی اس سے بچا جاتا ہے، پس تقویٰ کا مفہوم ہوا تمام ظاہری باطنی گناہوں سے بچنا اور وہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ معاصی سے بچا جائے اور مامورات کو بجالایا جائے کیونکہ ترک مامور بہ بھی معصیت ہے۔

لہٰذا طالب علم کو تمام معاصی سے پرہیز کرنا چاہئے اور مامورات کو بجالانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ (افاضات)

بالخصوص آنکھ، کان، زبان اور دماغ ان چاروں اعضاء کے غلط استعال سے حتی الامکان بچے کہ یہ چاروں علم کے ذرائع ہیں اور انہی راستوں سے علم کا نور اندر داخل ہوتا ہے، لہٰذا ان کو پاک صاف رکھے، کہ جب یہ گندے ہوں گے تو علم کا وہ نور جو معرفت الٰہیہ اور تعلق مع اللہ کا ذریعہ ہوگا اندر داخل نہیں ہوسکتا اور علم صحیح طریقہ پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا مقولہ ہے کہ گناہ کرنے سے آدمی وہ علم بھی بھول جاتا ہے جو حاصل کرچکا تھا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت کعب سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی خاردار جھاڑی والے راستہ پر چلے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا جی ہاں! دریافت کیا کیسے چلے ہو؟ فرمایا دامن سمیٹ کر کپڑوں اور بدن کو پورے طور پر بچا کر کہ کہیں کوئی کانٹا کپڑے یا بدن پر نہ لگ جائے، فرمایا یہی تقویٰ ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک کے اشعار ہیں

رَئَیْتُ الذُّنُوْبَ تُمِیْتُ الْقُلُوْبَ　　وَیُوْرِثُکَ الذُّلَّ اِدْمَانُهَا
وَتَرْکُکَ الذُّنُوْبَ حَیَاۃُ الْقُلُوْبِ　　وَخَیْرٌ لِنَفْسِکَ عِصْیَانُهَا

ترجمہ: گناہوں سے دل مر جاتے ہیں اور گناہ کی زندگی ذلت لاتی ہے اور گناہوں سے اجتناب میں دلوں کی زندگی ہے، نفس کی مخالفت ہی میں بھلائی ہے۔ (جامع)

خوف وخشیت کا مدار علم پر ہے

ارشاد باری عزاسمہ ہے، اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ o اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ o

ترجمہ: خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔ (بیان القرآن)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی عظمتوں سے باخبر ہیں، نہ یہ کہ صرف صرف ونحو پر عبور رکھتے ہوں، پس خشیت کا مدار اللہ تعالیٰ کی معرفت کے علم پر ہے، جو جتنا عارف باللہ ہوگا اتنا ہی اللہ سے ڈرنے والا ہوگا، جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا: اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاکُمْ بِہٖ، کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ (روح المعانی)

معلوم ہوا کہ بغیر حقیقی علم کے خوف وخشیت پیدا نہیں ہوتا اور نہ علم کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابودرداء فرماتے تھے کہ اس خوف سے لرز رہا ہوں کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جاؤں اور پوچھا جائے تو نے علم تو حاصل کیا تھا مگر اس سے کام کیا لیا؟

صحابہؓ کا کمال احتیاط وتقویٰ

بخاری شریف میں حضرت انس کی روایت ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا لَهِيَ اَدَقُّ فِي اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِى الْمُهْلِكَاتِ رواهُ البخاری

حضرت انسؓ نے (اپنے زمانے کے مسلمانوں کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن ہم ان کاموں کو رسول اللہؐ کے زمانے میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو اور ایسی ایسی چیزیں اختیار کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بہت معمولی درجہ کی اور بہت حقیر ہیں، زیادہ سے زیادہ تم ان کو مکروہات میں شمار کرتے ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کام اور وہ چیزیں بڑی نقصان دہ ہیں اور بڑی تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں، چنانچہ رسول اللہ کریمؐ کے زمانے میں ہم لوگ ایسے کاموں کو بھی ان کاموں میں شمار کرتے تھے جو اخروی انجام کے اعتبار سے ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔ (مظاہر حق جدید)

ایک حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَ مُحَقِّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا'' (ابن ماجہ والدارمی) کہ اے عائشہ! تم اپنے آپ کو ان گناہوں سے بھی دور رکھو جن کو معمولی اور حقیر سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ ان گناہوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مطالبہ کرنے والا بھی ہے۔

علمی و عملی ترقی میں حلال کمائی کا اثر

علمی و عملی ترقی میں حلال و پاکیزہ کمائی کا بہت بڑا دخل ہے، کہ حلال کھانے پر قلب میں ایک نورانیت محسوس ہوتی ہے جس سے نیک اعمال کی توفیق میسر آتی

ہے اور حرام و مشتبہ کھانے پر قلب میں ایک ظلمت سی چھا جاتی ہے جس سے توفیق طاعات بھی سلب ہو جاتی ہے اور ترقی کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں اکل حلال کے بعد عمل صالح کی ترتیب سے اسی طرف اشارہ ہے کہ ترقی اور صالح زندگی کی بنیاد میں اکل حلال کو بڑا دخل ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ کانپور میں مجھ سے ایک صاحب نے (جن کے والد بڑے نیک تھے اور ان کی یہ حالت نہ تھی) دریافت کیا کہ حضرت! اب پہلے جیسے علماء کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ میں نے کہا پہلے تم بتلاؤ کہ تم اپنے والد جیسے کیوں نہیں؟ تمہارے والد تو ایسے ایسے تھے تم ایسے کیوں نہیں؟ پھر کہا پہلے جیسے استاذ ہوتے تھے ویسے ہی ان کے شاگرد ہوتے تھے، اب مجھ جیسا استاذ ہے تو شاگرد بھی مجھ جیسا ہوگا۔

نیز پہلے کے لوگ خون پسینہ ایک کر کے جائز طریق سے کماتے تھے اور حرام سے اجتناب کرتے تھے، اسی خالص حلال کی کمائی سے اخلاص کے ساتھ چندہ دیتے تھے، وہی طلبہ پر صرف ہوتا تھا، اسلئے اس کے اثرات اچھے نمودار ہوتے تھے اور بہترین علماء تیار ہوتے تھے اور اب لوگوں میں حلال حرام کی تمیز نہیں رہی، بس مال کے پیچھے پڑتے ہیں، کسی طرح ملنا چاہئے گو حرام ہی ہو، اسی سے چندہ دیتے ہیں، اگر حلال کمائی ہوئی بھی تو اس میں عامۃً اخلاص نہیں ہوتا، وہی طلبہ پر صرف ہوتا ہے ،بس جیسا مال ویسے ہی اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

اسلاف کا تقویٰ واحتیاط

ہمارے اسلاف کی زندگیاں تقویٰ و طہارت سے مزین تھیں، احکام شرع میں اپنی ذات کے بارے میں معمولی معمولی چیزوں میں بہت زیادہ

احتیاط برتتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائق تھے، چنانچہ کوفہ میں ایک مرتبہ کسی کی بکری چوری ہوگئی تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا، اس لیئے کہ بکری کی عمر سات سال ہوتی ہے۔ (مفتاح العادۃ)

ایک مرتبہ سخت گرمی اور دھوپ میں آپ مکانوں کے سایہ میں چل رہے تھے کہ ناگاہ ایک مکان کے قریب سایہ سے نکل کر دھوپ میں چلنے لگے، کسی نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا اس گھر کے مالک نے مجھ سے قرض لیا ہے، میرے لئے اس گھر کے سایے سے نفع اٹھانا تقویٰ کے خلاف ہے۔

حضرت امام بخاریؒ فرماتے تھے کہ "مَا اغْتَبْتُ اَحَدًا مُذْ عَلِمْتُ اَنَّ الْغِیْبَةَ حَرَامٌ" جس وقت سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، میں نے کسی کی غیبت نہیں کی، قیامت کے دن غیبت کے بارے میں کسی کا ہاتھ میرے دامن میں نہیں ہوگا۔

احمد بن فقیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسن اشعریؒ کی بیس سال خدمت کی، میں نے ان سے زیادہ متورع، محتاط، باحیا، دنیوی معاملات میں شرمیلا اور امورِ آخرت میں مستعد نہیں دیکھا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

امام ترمذیؒ تقویٰ، زہد اور خوف خدا اس درجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا، خوف الٰہی سے بکثرت روتے روتے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔

امام نسائی کے حالات میں ہے کہ زہد وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے صوم داودی پر ہمیشہ عمل پیرا رہتے تھے۔

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کا تقویٰ مشہور ہے۔ تقویٰ واحتیاط کا یہ اثر تھا کہ حضرت کا معدہ مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا تھا، فوراً

قے ہوجاتی تھی، اس کی وجہ سے حضرت کے اعزہ واحباب اور جہاں کہیں تشریف لے جاتے تو میزبانون کو فکر ہوجاتا کہ کہیں حضرت کے کھانے کے بعد رسوائی نہ ہو۔ (تذکرۃ الخلیل)

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ ویکتا ☆ اتر گیا جو تیرے دل میں لاشریک لہ

حضرت علامہ بلیاویؒ کے حالات میں ہے کہ کمسنی میں ہی تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت جیسی صفات سے متصف تھے، بچپن ہی سے نامحرم عورتوں سے پردہ کرتے تھے، نیز مشتبہ کھانے سے پرہیز کرتے تھے، بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ مشتبہ کھانے کو معدہ نے قبول نہ کیا اور قے ہوگئی۔

پہلے مدارس کے مہتممین، اساتذہ اور طلبہ کا یہ حال تھا کہ وہ مدرسہ کے پیسوں اور اس کی املاک کو پھونک پھونک کر استعمال کرتے تھے کہ کہیں حدود سے تجاوز نہ ہوجائے، ان کو اپنی آمدنی بڑھانے کے بجائے اس بات کی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ جو تنخواہ ہم وصول کررہے ہیں وہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس کا حق ادا ہورہا ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی گائے ایک مرتبہ کسی نے مدرسہ کے صحن میں لاکر باندھ دی، کسی شخص نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت مولانا نے اس کی جواب دہی کے بجائے وہ گائے صدقہ کردی۔

حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مظاہر العلوم کو کبھی مطبخ کی کارکردگی کے معاینہ کے لئے کھانا چکھنا ہوتا تو پہلے ایک خوراک خریدتے پھر چکھ کر باقی سالن واپس کردیتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ، مہتممین اور طلبہ کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن جب ہم اپنا جائزہ لیتے ہیں تو بزرگوں کے اس طرز عمل کے ساتھ کوئی دور کی نسبت بھی نظر نہیں آتی۔ (ہمارا تعلیمی نظام)

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری ☆ کہ آشیانہ کسی شاخ گل پہ بار نہ ہو

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تقویٰ و احتیاط

حضرت گنگوہی کے متعلق تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ اپنے معاملہ میں آپ کا تقوی و احتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح پر اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے باوجود ضرورت کے احتیاط کو بالکل نہیں چھوڑتے تھے، آپ کے احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔

مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اس وقت تک اسی طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لے کر کھڑے ہو گئے اور قیام و رکوع و سجود غرض پوری نماز انہیں کے سہارے سے ادا کی، ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کیجئے، مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا:

ایک روز مولانا یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر کونسا وقت اور کونسی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے، آپ نے فرمایا قادر بقدرۃ الغیر تو قادر ہوتا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آخر نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی، تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں، گویا بتلا دیا کہ اتباع شرع اس کو کہتے ہیں، تقویٰ اس کا نام ہے، اختیار احوط اس طرح ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عنایت علی صاحب کا تقویٰ و احتیاط

حضرت مولانا عنایت علی صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مہتمم تھے

تقویٰ واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سینکڑوں افراد کے کھانے کا انتظام فرماتے اور ایک وسیع دستر خوان لگتا، لیکن خود کا یہ حال تھا کہ کبھی مدرسہ کے کھانے میں شریک نہ ہوتے، جب رات گئے انتظامات سے فارغ ہوتے تو اپنے گھر سے لایا ہوا ٹھنڈا سالن ایک کونے میں بیٹھ کر کھا لیتے تھے، یہ بھی ایک زندگی تھی۔ (ہمارا تعلیمی نظام)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کا تقویٰ واحتیاط

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے گونا گوں صفات سے مزین فرمایا تھا، مظاہر علوم کی مسجد کے باہر چند پھول کے درخت لگے ہوئے تھے، جب ان پودوں پر پھول نکلے تو ایک مخلص طالب علم کچھ پھول لیکر حضرت کی خدمت میں پہنچے اور عقیدت میں پھول پیش کئے، حضرت نے دریافت کیا کہاں سے لائے؟ انہوں نے صورت حال بتائی تو فرمایا وہ زمین وقف کی ہے، اس سے فائدہ اٹھانا طلبہ کو تو جائز ہے میرے لئے جائز نہیں ہے، قبول فرمانے سے انکار فرمایا بعض دوسرے طلبہ سے معلوم ہوا کہ وہ پودینہ لے کر گئے مگر حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔

(مولانا زکریا صاحب اور ان کے خلفاء)

تیسرا ادب

طالب علم اور علم وعمل میں مطابقت

طالب علم کو چاہئے کہ زمانۂ تلمذ میں ہی علم کے مطابق عملی زندگی بنانے کی مشق کرے، جو علم بھی پڑھتا رہے اس کے مطابق عمل بھی ہوتا رہے، اس دھوکہ میں ہرگز نہ رہے کہ پہلے علم حاصل کرلوں عمل تو بعد میں ہوگا، یہ شیطانی دھوکہ ہے، بلکہ فوراً عمل بھی شروع ہو، کیونکہ قرآن وحدیث میں علم پر جو بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں

اس سے مراد وہی علم ہے جو مقرون بالعمل ہو، علم درحقیقت اسی کا نام ہے۔

چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے علماء یہود کے بارے میں فرمایا "لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ" چونکہ وہ علم کے مطابق عمل نہ کرتے تھے، اس لئے باوجود اس کے کہ ماقبل میں ان کی نسبت "وَلَقَدْ عَلِمُوْا" کا حکم ہے پھر بھی "وَلَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ" میں ان کے علم کی نفی کی اور ان کے علم کو کالعدم سمجھا گیا، پس معلوم ہوا کہ علم مطلوب وہی ہے جس کے ساتھ عمل ہو۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے اہل علم کو اہل ذکر سے تعبیر فرمایا ہے "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو اہل ذکر سے تعبیر فرما کر اہل علم کو ذکر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علماء کی خاص شان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت ایک سانس کو بھی نہ ہو۔

تم سا کوئی ہم دم کوئی دمساز نہیں ہے ☆ باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے ☆ معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اہل ذکر سے مراد علماء لکھا ہے، وَالْمُرَادُ بِاَهْلِ الذِّکْرِ الْعُلَمَاءُ"

نیز حضرت فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ذکر کی حدیث پر بخاری شریف کو ختم فرمایا تاکہ علماء صرف پڑھنے پڑھانے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ ذکر کے اہتمام سے اپنے مالک کا قرب حاصل کریں۔

کامیابی تو کام سے ہوگی ☆ نہ کہ حسن کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی ☆ فکر کے اہتمام سے ہوگی

(کشکول معرفت)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہ علماء! اپنے علم پر عمل بھی کیا کرو، کیونکہ عالم وہ ہے جو پہلے علم حاصل کرے، پھر معاً اس پر عمل بھی کرے، اس کا علم و عمل

یکساں نظر آوے، آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہونگے جو علم حاصل کریں گے مگر علم ان کے گلے کے نیچے نہ اتریگا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا۔

پس علم کا صحیح اور انفع طریق جس سے علم میں پختگی و وثوق اور عمل کے لئے بیتاب کرنے والا یقین حاصل ہو یہی ہے کہ جس میں عمل علم کے ساتھ ساتھ ہو اور علمی جدوجہد کے پلہ بہ پلہ عمل کرنے کرانے کی کوشش جاری رہے، علم کے ساتھ عمل کی اور عمل کے ساتھ علم کی تکرار ہوتی رہے۔

دور صحابہؓ میں طرز تعلیم

چنانچہ حضرات صحابہ کے علم میں جو بصیرت و وسعت فہم، انکشاف حقیقت اور پختگی و وثوق تھا اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے پاس حصول علم کا یہی طریقہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا سیکھتے تھے مگر اس طرح کہ سیکھنے کے ساتھ ساتھ عمل کرتے جاتے تھے جتنا پڑھتے علم کے پہلو بہ پہلو عملی مشق جاری رکھتے، ابوعبدالرحمٰن السلمی اس طرز تعلیم کو یوں بیان کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مَنْ كَانَ يُقْرِئُنَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ اَنَّهُمْ كَانُوْايَأْخُذُوْنَ مِنْهُ عَشْرَ آيَاتٍ وَلَايَأْخُذُوْنَ فِي الْعَشْرِ الْاُخْرٰى حَتّٰى يَعْمَلُوْامَافِي هٰذِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ قَالَ فَتَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ (جمع الفوائد)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابی ہم کو پڑھاتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ (صحابہ کا طرز تعلیم یہ تھا کہ) وہ حضورؐ سے دس آیتیں سیکھتے تھے، پھر جب تک یہ نہ سیکھ لیتے تھے کہ ان دس آیتوں میں علم و عمل (کی کیفیت و مقدار) کیا ہے، دوسری

دس آیات نہیں سیکھتے تھے راوی کہتے ہیں کہ ہم نے علم و عمل کو ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔

(دعوت علم و عمل)

علم بدون عمل کے کارگر نہیں

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَايَعْلَمُونَ'' اے پیغمبرؐ! آپ ان سے کہئے کہ علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں؟ (بیان القرآن)

آیت بالا میں عالم سے مراد باعمل عالم ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے ''مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ لِاَنَّ الْعِلْمَ اِذَالَمْ يَكُنْ مُوْرِثًالِلْعَمَلِ فَلَيْسَ عِلْمًا فِي الشَّرِيْعَةِ'' (مرقاۃ)

ترجمہ: اللہ کا ہر نافرمان جاہل ہے، جو علم سبب عمل نہ ہو وہ شریعت میں علم نہیں ہے۔

علم آں باشد کہ بکشاید رہے ☆ راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

علم وہ ہے جو عمل کا راستہ کھول دے اور راہ وہ ہے جو حق تعالیٰ تک پہنچا دے۔

ابراہیم بن ادہمؒ کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک پتھر پر میرا گذر ہوا، اس پر لکھا تھا ''اَقْلِبْنِي تَعْتَبِرْ'' مجھے پلٹ کر عبرت حاصل کرو، میں نے اس کو پلٹا تو اس پر لکھا تھا ''اَنْتَ لَاتَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ عِلْمَ مَالَمْ تَعْلَمْ'' جب تم جانی ہوئی چیزوں پر عمل نہیں کرتے تو انجان چیزوں کی طلب میں کیسے لگتے ہو۔

ملا علی قاریؒ نے ابو یزید قدس سرہٗ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کا ایک مرید ان کے پیچھے اس طرح چل رہا تھا کہ جہاں جہاں ان کے قدم پڑتے وہیں وہ بھی اپنے قدم ڈالتا، آپ نے اس کی یہ حرکت جب دیکھی تو اس کی طرف مڑے اور جوش میں فرمانے لگے۔

وَاللّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ سَلَخْتَ جِلْدَ اَبِیْ یَزِیْدَ وَ لَبِسْتَهٗ لَمْ تَنَلْ مِثْقَالَ خَرْدَلٍ مِنْ مَّقَامَاتِهٖ مَالَمْ تَعْمَلْ عَمَلَهٗ (مرقاۃ)	خدا کی قسم! خدا کی قسم! اگر تم ابویزید کی کھال ادھیڑ کر بھی پہن لو گے تو بھی بغیر عمل صالح کے اس کے

مقامات میں سے ایک رائے کے دانے کے برابر حاصل نہ کرسکو گے

پھر اس کے سامنے یہ اشعار پڑھے

مَابَالُ نَفْسِکَ اَنْ تَرْضٰی تُدَنِّسُهَا ☆ وَثَوْبُ جِسْمِکَ مَغْسُوْلٌ مِنَ الدَّنَسِ

تَرْجُوالنَّجَاۃَ وَلَمْ تَسْلُکْ مَسَالِکَهَا ☆ اِنَّ السَّفِیْنَةَ لَاتَجْرِیْ عَلَی الْیَبَسِ

ترجمہ: تمہارا کیا حال ہے کہ تم اپنے قلب کو گندا رکھنا پسند کرتے ہو، جب کہ تمہارے بدن کا کپڑا میل کچیل سے صاف ہے، نجات کی توقع رکھتے ہو مگر اس کی راہیں اختیار نہیں کرتے اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ کشتی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔

(اسلام کا نظام تربیت)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ علم جب آتا ہے تو عمل کو پکارتا ہے اگر وہ آگیا تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ رخصت ہو جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری کا فرمان ہے جو شخص لوگوں سے علم میں برتر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ عمل میں بھی ان سے برتر رہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے حضرت لیث بن سعدؒ کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، اللہ ہی کے لئے تمہاری بھلائی ہے اے امام! تم ایسی چار خوبیوں کے جامع تھے جس کے بغیر کسی عالم میں کمال پیدا نہیں ہوسکتا، علم، عمل، زہد، تقوی

علم دراست اور علم وراثت

مدارس میں جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں وہ علوم دراست ہیں اور ان علوم پر عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ کچھ علوم قلب پر کھولتے ہیں، جو ان سے جداگانہ ہوتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء ☆ بے کتاب و بے معید و استا

حدیث میں ہے کہ عمل کی برکت سے حق تعالیٰ قلب میں وہ علوم ڈالتا ہے جو پہلے سے اس میں نہ تھے، اس لئے اگر انسان انسان بننا چاہتا ہے تو اولاً عالم بنے پھر عامل بنے، تب آخر میں علم لدنی کا وارث بنتا ہے، پس ابتدائی علم علم دراست ہے اور انتہائی علم علم وراثت ہے، یہ کتابوں کے درس و مطالعہ کا علم علم دراست ہے اور ان علوم پر عمل کے نتیجے میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علم وراثت ہے، ''مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ''

پس علم دراست کی عملی مشق سے پیدا شدہ بصیرت و گہرائی علم وراثت ہے، مگر علم وراثت نصیب ہوتا ہے علم دراست ہی سے، یہ مدارس علم دراست سکھاتے ہیں اور علم وراثت کا راستہ واضح کرتے ہیں، اگر مدارس دینیہ نہ ہوں تو نہ علم دراست ملے نہ علم وراثت۔ (ملخص از خطبات حکیم الاسلام)

علم وہبی ولدنی کی مثال

اللہ والوں کے علوم وہبی اور لدنی ہوتے ہیں اور اسی کو علم وراثت کہتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً سورج نظر آرہا ہے، اگر ہزاروں گھڑیاں متفق ہوں اس بات پر کہ اس وقت سورج چھپ گیا، لیکن جو دیکھ رہا ہے کہ ابھی سورج موجود ہے وہ کہہ دیگا کہ سب گھڑیاں غلط ہیں، اگر اس سے دلیل پوچھی جائیگی تو کہہ دے گا کہ ہمیں خبر نہیں کہ کہاں اور کیا غلطی ہے مگر غلط ضرور ہے، کیونکہ ہم تو سورج کا مشاہدہ کررہے ہیں، اسی طرح یہ حضرات گو اس پر قادر نہ ہوں کہ مقدمات میں تعین کردیں کہ کونسے مقدمہ میں غلطی ہے مگر اتنا ضرور کہہ دیں گے کہ تمہاری دلیل میں غلطی ضرور ہے، یہ سب علوم غیر منصوصہ اور وہبی ہیں۔ (الافاضات)

چوتھا ادب

طالب علم اور تواضع وفروتنی

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر تواضع و انکساری پیدا کرے اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر سمجھے، تکبر، عجب اور خود بینی جیسے مہلک امراض سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے، اپنی ہستی کو مٹا دے، ہر ایک کے ساتھ تواضع اور خوش خلقی سے پیش آئے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ، جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو مٹائے گا اللہ اسے سر بلند کریں گے۔

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ خصلت تواضع و مسکنت ہے اور سب سے ناپسندیدہ کبر ونخوت ہے۔

بالخصوص اپنے اساتذہ کے سامنے تو اپنی ہستی کو بالکل ہی فنا کردے کہ اس کے بغیر علم کی دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کا مقولہ ہے ''اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِيْهِ يَحْصُلُ بِذُلٍّ لَا عِزَّ فِيْهِ'' علم ایک ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا نام ونشان نہیں مگر ایسی ذلت سے حاصل ہوتا ہے جس میں عزت کا نام ونشان نہیں۔

پستی سے سر بلند ہوا اور سرکشی سے پست

اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ (طبرانی)

ترجمہ: علم سیکھو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار سیکھو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ ادب وتواضع سے پیش آؤ۔

فضیل بن عیاض کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ متواضع عالم سے محبت کرتے ہیں اور جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو حکمت کے علوم عطا فرماتے ہیں۔ (اخلاق العلماء)

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِی وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِی فِیْهِمَا قَصَمْتُهٗ (الحدیث) بڑائی و کبریائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری ازار ہے، جو ان میں کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دونگا میں اس کو ذلیل و خوار کردونگا۔

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس
بدیں سبب در بارگاہ عزت دور

رحمۃ المتعلمین میں لکھا ہے کہ بہت بڑا فائدہ اور جلب منفعت کی کنجی یہ ہے کہ جس سے نفع حاصل کرنا ہو خواہ خالق سے یا مخلوق سے، اس کے سامنے اپنے کو مٹا دے اور فنا کردے، اپنی رائے و تدبیر کو بالکل دخل نہ دے، پھر دیکھئے کیسا نفع حاصل ہوتا ہے اور یہ بڑا کمال ہے۔ ؎

تو دروں گم شو وصال ایں است وبس
تو مباش اصلاً کمال ایں است وبس

تمام تصوف کا حاصل اپنے کو مٹا دینا ہے

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے فرمایا کہ سید سلیمان ندوی نے حضرت تھانوی سے جب پہلی ملاقات کی، اس وقت میں بھی حاضر تھا، تو سید صاحب نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت فرمائے، حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے فاضل کو کیا نصیحت کروں؟ لیکن اپنے بزرگوں سے جو کچھ سنا ہے اسی کا تکرار کرتا ہوں اور

وہ یہ ہے کہ تمام تصوف کا حاصل اپنے کو مٹا دینا ہے، بس سید صاحب پر گریہ طاری ہوگیا میں نے اسی وقت یہ شعر کہا

بہت چاہا نہ ظاہر ہو کسی پر راز ضبط غم
دو آنسو کہہ گئے لیکن شکستہ دل کا افسانہ (عارفی)

اس کے بعد یہ اشعار سنائے

نہ چھوڑا شائبہ تک دل میں احساس دو عالم کا
معاذ اللہ محبت کا یہ انداز حریفانہ
خبر کیا تھی بنائے گی محبت ایسا دیوانہ
مجھے بننا پڑے گا خود محبت ہی کا افسانہ

پھر سید صاحب تھانہ بھون گئے تین دن مجلس میں شریک ہوئے، تیسرے دن کھڑے ہوکر سہ دری پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے، فرمایا تمام عمر جس کو علم سمجھا تھا اب معلوم ہوا کہ سب جہل تھا، علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے اور سید صاحب نے فرمایا ؎

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہٴ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ قران میں
جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا

حاملین قرآن کے اوصاف

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس کے سینہ میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ سو رہے ہوں، اپنے دن سے پہچانا جائے جس وقت کہ لوگ کھا پی رہے ہوں، اپنے حزن و غم سے پہنچانا جائے جس وقت کہ لوگ خوشیاں منا رہے ہوں، اپنے گریہ وزاری

سے پہنچانا جائے جس وقت کہ لوگ ہنس بول رہے ہوں، اپنی خاموشی اور سکوت سے پہنچانا جائے جس وقت کہ لوگ ادھر ادھر کی ہانک رہے ہوں، یعنی شب زندہ دار ہو صائم النہار ہو، آخرت کا استحضار ہو، عاقبت سے متفکر ہو، خوف و خشیت خداوندی حاصل ہو، خاموش طبیعت ہو، تواضع و مسکنت کا جوہر نمایاں ہو، پس ان اوصاف کو طلبہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوش کرتے رہیں۔ (روح البیان)

عطا فرماتے ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ کی اصل تواضع ہے اور تمام رذائل کی اصل اور ام الامراض کبر ہے۔

اَرٰی لَکَ نَفْسًا تَشْتَهِیْ اَنْ تُعِزَّهَا ☆ فَلَسْتَ تَنَالُ الْعِزَّ حَتّٰی تُذِلَّهَا

اگر تمہیں عزت کی تلاش ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذلت و پستی میں جب تک اپنے آپ کو نہیں ڈالو گے اس وقت تک عزت کے مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔

تکبر انسان کو فہم سلیم اور علوم الہیہ سے محروم کر دیتا ہے

ارشاد باری عزاسمہ ہے

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَايُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَايَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ○

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھونگا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جن کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں ہے اور (برگشتگی کا ان پر یہ اثر ہوگا کہ) اگر تمام نشانیاں (بھی) دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں۔

خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہے کہ تکبر یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور افضل سمجھنا ایسی مذموم و منحوس خصلت ہے کہ جو شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے اس کی عقل و فہم سلیم نہیں رہتی، اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھنے سے محروم ہو جاتا

ہے، نہ اس کو قرآنی آیات صحیح سمجھنے کی توفیق باقی رہتی ہے اور نہ آیات قدرت میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں اس کا ذہن چلتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر ونخوت ایک ایسی بری خصلت ہے جو علوم ربانیہ کے لئے حجاب بن جاتی ہے، کیونکہ علوم ربانیہ صرف اس کی رحمت سے حاصل ہوتے ہیں اور رحمت خداوندی تواضع سے متوجہ ہوتی ہے۔ (معارف القرآن نمبر۴/۶۶)

مولانا رومی نے خوب فرمایا ؎

ہر کجا پستی ست آب انجا رود ☆ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

رحمۃ المتعلمین میں ہے کہ علم پر ناز نہ کرے بلکہ اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتا رہے، ورنہ نعمت چھن جائیگی اور یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک عالم کا دماغ فالج سے خراب ہوگیا اور کل علم بھول گیا۔

اسلاف کی شان تواضع

امام مالکؒ سے جب فتویٰ اور مسئلہ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ پر اطلاع نہ ہوتی تو نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے تھے کہ ''لاادری'' میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا، یہ نہیں کہ بات گول گول کریں اور گھما پھرا کر اپنی شان باقی رکھیں، جیسے عموماً ہوتا ہے۔

اور ایسا ایک دوبار نہیں ہوا بلکہ امام کے شاگرد ابن وھب کہتے ہیں کہ اگر میں امام مالک کی ''لاادری'' لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں۔ (تذکرۃ المحدثین)

اندازہ لگایئے! یہ اس شخص کا حال ہے جس کے علم وفضل کا ڈنکا پوری دنیائے اسلام پر بجتا ہے اور جس کے علو مقام کے اس کے اساتذہ معترف تھے، امام کے حلقۂ فیض میں جس کثرت جس رتبے اور جتنے طبقات کے لوگ داخل ہیں، وہ

محدثین و فقہاء میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں مثلاً خلفاء اسلام، امرائے بلاد، تابعین، ائمہ حدیث، مجتہدین، فقہاء، قضاۃ زہاد صوفیاء، ادباء، شعراء، مورخین، مفسرین اور فلاسفہ سب آپ کے حلقۂ مستفدین میں داخل ہیں۔

ایک مسجد میں حضرت جنید بغدادیؒ بیٹھے ہوئے تھے، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، ایک شخص نے اعلان کیا جو سب سے برا ہو وہ باہر آجائے، سب سے پہلے حضرت جنیدؒ دوڑ کر مسجد سے باہر آئے اور اعلان فرمایا کہ میں سب سے برا ہوں، حضرت شبلی کو جب اس واقعہ کی خبر ملی، تو فرمایا کہ اسی چیز نے تو جنید کو جنید بنایا ہے۔

ایک مرتبہ مصر میں سخت قحط سالی ہوئی، لوگوں نے حضرت ذوالنون مصری سے درخواست کی کہ دعا فرمائے اللہ تعالیٰ بارش برسائے، حضرت مصر سے باہر جنگل میں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ سے گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگی کہ اے اللہ! مصر میں سب سے زیادہ نالائق، سب سے زیادہ گنہگار ذوالنون نے مصر خالی کر دیا ہے، اب آپ اپنی رحمت کی بارش عطا کیجئے، حضرت کی اس فنائیت اور تواضع پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور خوب بارش ہوئی۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند ☆ کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

ترجمہ: اللہ والے اسی وجہ سے شرف میں ملائکہ سے بڑھ جاتے ہیں کہ خود کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔ (کشکول معرفت)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے تھے کہ

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم ☆ احسنت بریں چشتی و چالاکی ما

ترجمہ: جب ایماں کو قبر میں سلامتی سے لے جاؤں گا اس وقت میں دین میں اپنی چستی و چالاکی کو بہ نظر استحسان دیکھوں گا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ بندہ جب تک زندہ ہے تو اس کو شان بنانی ہی نہیں چاہئے، کیا خبر کیا حالت ہونے والی ہے، ہاں! جب دنیا سے صحیح سالم

ایمان لے کر نکل جاوے پھر اینٹھے جتنا چاہے، بندے وہ تھے جیسے مولانا قاسم صاحب کہ فرمایا کرتے تھے اگر چار حرف جاننے کی تہمت نہ ہوتی اور اس سے لوگ نہ جان گئے ہوتے تو ایسا گم ہوتا کہ کوئی یہ بھی نہ پہچانتا کہ قاسم دنیا میں پیدا بھی ہوا تھا۔ (کمالات اشرفیہ)

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ مسجد کے صحن میں حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی، سب طلبہ کتابیں لے کر اندر کو بھاگے، مگر حضرت سب طلبہ کی جوتیاں جمع کررہے تھے کہ اٹھا کر چلیں، لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ کر رہ گئے، حضرت نے فرمایا میں تم میں سے ایک ادنی طالب علم کو اپنے سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ کے کمال فنائیت کی یہ بات ہے کہ اپنے استاذ شفیق حضرت شیخ الہند سے بیعت ہونے کے باوجود اپنے شاگرد رشید حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور اس پیرانہ سالی میں دیوبند سے الہ آباد جیسے دور دراز شہر کا سفر فرمایا اور حضرت مصلح الامت کی خدمت میں تشریف لائے۔ (اقوال سلف)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ میں تواضع و انکساری حد درجہ تھی، حضرت تھانویؒ آپ کی تواضع کے متعلق فرماتے ہیں کہ مولانا میں حضرات سلف کی سی تواضع تھی کہ مسائل و اشکالات علمیہ میں چھوٹوں سے بھی مشورہ فرماتے تھے اور چھوٹوں کی معروضات کو شرح صدر کے بعد قبول فرمالیتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کی تواضع اور کسر نفسی

امام احمد بن حنبلؒ کی تواضع اور اخفائے حال کا یہ حال تھا کہ اگرچہ وہ عالی نسب عرب تھے اور یہ اس دور میں بڑا سرمایۂ فخر تھا، لیکن اس کا تذکرہ بھی وہ پسند نہیں کرتے تھے، علامہ ذہبی ان کے ایک معاصر ابو نعمان سے نقل کرتے ہیں کہ

احمد بن حنبلؒ نے میرے پاس اپنا خرچ رکھا دیا تھا اور اس سے بقدرِ ضرورت وہ لیتے رہتے تھے، ایک دن میں نے ان سے کہا ابو عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عرب ہیں، انہوں نے جواب دیا یا ابا النعمان! نحن قوم مساکین، ابونعمان ہمارا کیا؟ ہم غریب لوگ ہیں، میں ان سے بہت پوچھتا رہا مگر انہوں نے ٹال دیا اور کوئی جواب نہیں دیا، بعض مرتبہ ان کو دیکھنے کے لئے غیر مسلم بھی دور سے آتے۔

ایک مرتبہ ایک عیسائی طبیب علاج کے لئے آیا، اس نے کہا کہ میں کئی سال سے آپ کی زیارت کا آرزومند تھا، آپ کی زندگی صرف اسلام ہی کے لئے خیر و برکت کا باعث نہیں، ساری مخلوق کے لئے وہ خیر و برکت ہے، ہمارے سب دوست آپ سے بہت خوش ہیں۔

مروزی کہتے ہیں کہ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں آپ کے لئے دعا ہوتی ہوگی، انہوں نے فرمایا کہ بھائی! انسان پر اپنی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے تو کوئی کچھ کہے اس کو دھوکہ نہیں ہوتا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

حضرت شیخ الہند کی تواضع اور کسرِ نفسی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ پر تواضع اور عبدیت بہت غالب تھی، لکھا ہے کہ اس زمانے میں اکثر مساجد میں کسیر بچھا دی جاتی تھی، جو نرم بھی ہوتی تھی اور گرم بھی، یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے، جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لئے لے آتے تھے، اسے دیہات کا قالین یا نرم گدہ سمجھنا چاہئے حضرت کی مسجد میں بھی سردیوں میں برابر اس کا فرش ہوتا تھا، موسم سرما آنے پر ایک دن خود ہی طلبہ سے فرمایا کہ آؤ بھئی مسجد کے لئے کسیر لے آویں، چار طلبہ ساتھ ہو لئے، انہیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے، وسط باغ میں تالاب بھی تھا اور اس پر کسیر بکثرت پیدا ہوتی تھی، چنانچہ وہ گھاس کاٹی گئی، خود حضرت بھی درانتی

سے کاٹنے میں شریک رہے، کاٹ کر جمع شدہ ذخیرہ کے پانچ گٹھر بنائے، طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! پانچ گٹھریاں کیوں بنائی گئی ہیں، ہم تو چار ہیں، فرمایا اور میرا حصہ کہا گیا؟ یہ کہہ کر چار بڑی بڑی گٹھریاں طلبہ کے سروں پر اور ایک اپنے سر پر رکھ کر یہ قافلہ چلا، شہر میں آیا اور بازار کے ایک حصہ میں سے گذرا، ان طلبہ کو تو ممکن ہے کہ سر پر گھاس رکھ کر بازار میں سے گذرنے پر کچھ عار آرہا ہو، لیکن حضرت کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ کہ گویا اپنے کو اس بوجھ کے اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر شہر سے گذر رہے تھے، دیہات والے بھی اب جسے پسند نہیں کرتے، حضرت کے یہاں وہ بوجھ ایک معمولی بات تھی۔ (پچاس مثالی شخصیات)

حضرت مولانا یعقوب صاحب کی تواضع اور کسر نفسی

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ میں تواضع کا وصف نمایاں تھا، دوران درس جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لئے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا! یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا، ذرا اس کی تقریر کر دیجئے، چنانچہ بعد تقریر کے واپس آکر طلبہ کے سامنے اس کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے، اسی طرح اگر کوئی طالب کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فوراً درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں! واقعی مجھ سے غلطی ہوئی، مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی، بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے، اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پرواہ ہوگی؟ ہاں! جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہوگی، اس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جائے گی۔ (الافاضات الیومیہ)

حضرت مولانا الیاس صاحب کی تواضع اور کسر نفسی

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ایک دوست کو ایک خط میں لکھا تھا ’’مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو، عظمت سے اس کی طرف نگاہ کی مشق کرو‘‘

یہ مشق مولانا کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ بے عمل سے بے عمل اور پست سے پست درجہ کا مسلمان بھی ان کی نگاہوں میں معظم ومحترم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اس کو اپنے سے افضل اور اللہ کے یہاں زیادہ مقبول سمجھتے ہیں، ہر مسلمان سے ملتے وقت ان کی نگاہ ہمیشہ اس کی صفت اسلام اور ذرہ ایمان پر ہوتی تھی اور اس کے سارے عیوب اور کمزوریوں کا احساس ومشاہدہ اس ایمان کی توقیر واحترام سے ہمیشہ مغلوب ہوجایا کرتا تھا۔ (دینی دعوت)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی تواضع اور کسر نفسی

تواضع وانکساری شیخ الاسلام کی وہ خصوصیت ہے کہ معاصرین مشائخ میں خال خال کوئی نظر آتا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے تواضع کو حضرت شیخ الاسلام کے امتیازات میں شمار کروایا ہے، حضرت کی تواضع کے سینکڑوں واقعات ہیں، ایک چشم دید گواہ اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ’’جامع مسجد دیوبند سے جب حضرت نماز پڑھ کر تشریف لانے لگے تو حسب معمول گویا پوری مسجد حضرت کے ہمراہ ہوگئی اور جو لوگ مسجد سے ذرا پہلے نکلے وہ دور دروازہ کی سیڑھیوں کے سامنے سراپا اشتیاق بن کر نگاہ جمائے ہوئے تھے، جب حضرت پہلی سیڑھی پر پہنچے تو دفعۃً جھکے اور بعد کی سیڑھی پر سے کسی نمازی کی ایک چپل جو نیچے گر گئی تھی اٹھا کر دوسری چپل کے پاس رکھ دی ....
.... یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہزاروں نگاہیں ادب وعقیدت کے ساتھ حضرت کی پابوسی کر رہی تھیں۔ (مآثر شیخ الاسلام)

پانچواں ادب

(الف) طالب علم اور تزکیۂ باطن

دولت علم کے حصول کے لئے جس طرح ظاہری معاصی سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح باطنی امراض سے بھی قلب کو پاک وصاف کرنا ناگزیر ہے، اس کے بغیر علم کا نور نہیں حاصل ہوسکتا۔

حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اخلاق رذیلہ سے نفس کو پاک وصاف کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا نماز کے لئے ظاہری اعضاء کو پاک کرنا، کیونکہ نماز جیسے ظاہری عبادت ہے ایسے ہی علم قلب کی اور باطن کی عبادت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لَاتَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ'' ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور قلب ملائکہ کا گھر ہے، ان کے ٹھہرنے اور اترنے کی جگہ ہے اور صفات رذیلہ جیسے غضب، شہوت، کینہ، حسد، بغض، عجب، کبر، خود بینی وغیرہ مثل کتوں کے ہیں، پس جب قلب میں اس قدر باطنی کتے ہوں تو ملائکہ کیسے داخل ہوں گے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ علم کا نور اللہ تعالیٰ ملائکہ کے واسطے سے ڈالتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ علم کا نور حاصل کرنے کے لئے قلب کا تمام گندگیوں سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے۔ (احیاء العلوم)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے ''وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ'' یعنی ظاہری اور باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو، جوارح کے گناہ بھی چھوڑ دو اور قلب کے بھی اور جوارح کو اعمال صالحہ سے اور قلب کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرو، اسی کو صوفیائے کرام تعمیر الظاہر والباطن سے تعبیر کرتے ہیں، یہی تصوف وسلوک کی حقیقت ہے۔

تزکیۂ باطن کی اہمیت

دنیا اور دنیا کی ہر چیز انساں کے لئے بنائی گئی ہے کہ ایک چیز بھی نہ ہوتو کسی نہ کسی انسانی ضرورت میں حرج واقع ہوجائے گا،مگر انسان دنیا کی کسی چیز کے لئے بھی نہیں بنایا گیا کہ انسان معدوم ہوجائے تو کسی چیز کا کوئی بھی حرج ونقصان نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اصطبل اور گھاس دانہ کا تمامی سامان گھوڑے کے لئے ہے، مگر گھوڑا صرف آقا کی سواری کے لئے ،اسی طرح تمامی کائنات زمین وآسمان، شجر وحجر، نباتات و جمادات سب انساں کی راحت کے لئے ہے اور انسان محض اپنے خالق برتر کی عبادت وغلامی کے لئے ہے اور عبادت کے لئے ضرورت ہے دو چیز کی، ایک طرف عبادت سے واقفیت جس کا نام علم دین ہے، دوم عبادت سے دلچسپی اور شوق و رغبت جس کا نام تزکیۂ باطن اور عشق ومحبت ہے، پس اول کا حصول بواسطۂ درس وتدریس مدارس علمیہ میں ہوگا اور شریعت نام رکھا جائے گا دوسرے کی تحصیل اہل اللہ کی جوتیاں اٹھانے سے خانقاہوں میں ہوگی، جس کو طریقت کہا جائے گا اور وہی شریعت کی روح ومغز اور اصل الاصول ہے، کہ اس کے بغیر باوجودعلم کے عمل ہی نہ ہوسکے گا ، یا ہوگا تو بارآور اور مثمر نہ ہوگا اور بارآور بھی ہوا تو بے مزہ اور عارضی و ناپائدار ہوگا، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ علم بلکہ انسانی زندگی کا مقصود اعظم یہی تعلق مع اللہ ہے جو محرک ہوتا ہے علم پر عمل کا اور احکم الحاکمین کی طاعت وعبادت کا۔ (تذکرۃ الخلیل)

حکمت کی ایک عمدہ تفسیر

ظاہری علوم کو حاصل کرلینے کے بعد باطنی اصلاح کے لئے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرنا بہت ضروری ہے، اسی صحبت وتربیت سے علم میں رسوخ اور قلب میں انشراح ویقین پیدا ہوتا ہے، رسوخ علم میں صحبت وترتیب اور ملازمت شیخ کو

بڑا دخل ہے، صحابہ کا علم اسی طریق پر تھا، یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک ''قل ہواللہ احد'' پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور پختگی سے توحید اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ بھی اس کا عشر عشیر سمجھا ہوا نہیں ہے۔

ایک متعلم جب اسطرح صحبت وتربیت کے ساتھ علم سیکھ لیتا ہے تو اسکا قلیل علم بھی قلیل نہیں ہوتا، اب اس کا نام علم نہیں رہتا، بلکہ قرآنی الفاظ میں شاید حکمت ہوجاتا ہے۔

قرآن کریم میں جس حکمت کو لقمانؑ کا علم بتلایا گیا ہے ''وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ'' ہم نے لقمانؑ کو حکمت مرحمت فرمائی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' میں اسی طرف اشارہ ہے، گو عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر سنت سے کی ہے، مگر یہاں اور بھی بہت اقوال ہیں، منجملہ ان کے یہ کہ حکمت کتاب کے علاوہ دوسری چیز ہوتی ہے مگر کتاب کی شکل میں کوئی دوسری کتاب نہیں ہوتی، بلکہ اس کتاب کو صحبت نبیؐ میں پڑھنے کے وہ اثرات ہوتے ہیں جو مستعد شخص کی ذہنیت میں ایسی صلاحیت پیدا کردیتے ہیں کہ صحیح فہم وفراست ملکۂ نفس بن جاتی ہے، اس کے خیالات وعقائد خود کو پاکیزہ اور دوسروں کو بھی پاکیزہ بنادیتے ہیں، غلط بات کو اس کا ذوق قبول نہیں کرتا اور صحیح حقیقت قبول کرنے میں کچھ تردد نہیں رہتا۔ (مستفاد از ترجمان السنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت

قرآن کریم میں بعثت نبوی کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں، ارشاد باری عز اسمہ ہے، ''هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' اللہ نے رسول بھیجا، اس کی کیا شان

ہے؟ اللہ کے رسولؐ نے چار کام کئے، پہلے تلاوت آیات کی، یعنی بلاکم وکاست وحی کے الفاظ جو اللہ نے آپکے قلب مبارک پر نازل کئے پڑھ کر سنادئے، اس کے بعد میں تعلیم دی، تعلیم تلاوت سے الگ ہے، تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے اور تعلیم کا تعلق معانی سے ہے، یعنی پہلے لفظ سنائے پھر معانی سمجھائے، اس کے بعد پھر تعلیم حکمت کی اور حکمت سے مراد یہاں اسوۂ حسنہ ہے یعنی کر کے دکھایا، اس لئے کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں، ایک حکمت نظری اور ایک حکمت عملی، حکمت نظری تو تعلیم میں آگئی کہ نظر وفکر کی چیز تھی علمی صورت میں آپؐ نے بتلا دی، اب عملی صورت رہ جاتی تھی اس کو حکمت سے تعبیر کیا کہ عمل کا نمونہ پیش کر دیا، تو علم بھی سکھلایا اور عمل کا نمونہ بھی دکھلایا، اس کے بعد چوتھی چیز بتلائی، "وَيُزَكِّيهِمْ" دلوں کو مانجھنا اور ان کو صاف کرنا، امت کا تزکیہ فرمانا اور ان کے نفوس میں استقامت پیدا کرنا، زیغ کجی اور ٹیڑھ نکال دینا، یہ بھی آپ کا ایک وظیفہ ہے۔ (ملخص از خطبات)

تعلیم وتزکیہ کی یکجائی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھلائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اپنی صحبتِ فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک وصاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری اور باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے، چنانچہ صحابہ اور ان کے بعد تابعین پھر تبع تابعین کے تینوں قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اسی طرح توأم رہے، جو استاذ تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاذ تھے، وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے

تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے، ان تینوں طبقوں میں استاذ و شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔ (مقدمہ دینی دعوت)

تعلیم وتزکیہ میں تفریق

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسند ظاہر کے درس گو باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے، عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی، تا آنکہ علوم ظاہر کے لئے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم و تزکیۂ باطن کے لئے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے، اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہوگئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماء دین کی جگہ علماء دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی شریعت کے اسرار وکمالات سے جاہل ہوکر رہ گئے۔

(حوالۂ بالا)

تعلیم وتزکیہ کی یکجائی فلاح کی ضامن ہے

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں، جس میں نور نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے اور غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیض پہنچے اور پھیلے وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے، امام غزالیؒ جن سے علم معقول ومنقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہی کے ذریعہ ظہور پایا۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدرس ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماء ظاہر سمجھا جاتا ہے جیسے حضرات محدثین، امام بخاری، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے، متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ کو

ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان کی برکات باطنی سے لبریز ہیں، ابن قیم کی ''منازل السالکین'' وغیرہ کتابیں پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی، وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر تھے، اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا، آسمان دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شاہ اسماعیل تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کی علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، وہ علوم کی تدریس کے وقت ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر ''يُزَكِّيهِمْ'' کی جلوہ ریزی فرماتے تھے، پھر ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے، جن کی نشان دہی چنداں ضروری نہیں کہ ''سِيمَا هُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ'' ان سے دنیا کو جو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا، وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے اور آئندہ بھی سنن الہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جس کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہے گی، ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ'' آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوتے ہیں، سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعویٰ کا شاہد ہے، زباں کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمو سے زیادہ نہیں، خواہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔ (حوالۂ بالا)

صحبت شیخ کی ضرورت

باطن کو سنوارنے اور نفس کی اصلاح کے لئے کسی شیخ کی صحبت نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر نفس امارہ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ نہیں بن سکتا ہے، اور بدون اصلاح نفس کے علم کا نفع بھی نہیں ہوتا۔

حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ علم زیادہ مقصود نہیں بلکہ اثر علم مقصود ہے اور یہ بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، البتہ علم معین ہوجاتا ہے، صحابۂ کرام سب پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن محض صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اعلیٰ درجۂ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ (مقالات حکمۃ)

لہٰذا طالبین کو چاہئے کہ دوران طالب علمی یا کم ازکم فراغت کے بعد کچھ نہ کچھ وقت ضرور کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر اپنا اصلاحی تعلق قائم کریں اور پھر گاہ بگاہ ان کی خدمت میں حاضری دیتے رہیں، تاکہ جو کچھ مدرسہ میں حاصل ہو رہا ہے اس پر عمل کی ہمت اور قلب میں قوت پیدا ہوجائے۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق ☆ عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلبہ اس زمانے میں عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں، تو حضرت نے بہت عمدہ جواب دیا، فرمایا کہ دین مجموعہ ہے دو جز کا، ایک علم نبوت اور دوسرے نور نبوت، چونکہ طلبہ علم نبوت کو حاصل کرتے ہیں اور اللہ والوں سے نور نبوت حاصل نہیں کرتے، اسلئے علم پر قوت عملیہ سے محروم رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس کی تائید میں قرآن پاک کی ایک آیت میرے قلب میں ڈالی ہے، جس سے اس مضمون کی تائید اور تفصیل ہوجاتی ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین نازل ہوئی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ نے کتاب کی بھی تعلیم حاصل کی یعنی علم نبوت بھی حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے انوار نبوت کو بھی اپنے سینوں میں منتقل کیا، علم نبوت کے نقوش تو کتابوں سے لئے جاسکتے ہیں، لیکن انوار نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہوسکتا ہے، پس علوم نبوت تو کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوار نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں، اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
ایک خانہ بہ خانہ ہے ایک سینہ بہ سینہ ہے

اسلاف کا قابل رشک دور

ایشیاء کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے بعد علوم اسلامیہ کو اپنی اصلی صورت میں باقی رکھنے کے لئے ایک گوشۂ خمول کی حیثیت میں قائم کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن قبول عطا فرمایا اور مرکز علوم بنایا اور اس سے پیدا ہونے والے رجال اللہ اس آخری صدی کے مجدد ثابت ہوئے، یہ ادارہ دن میں علوم اسلامیہ کی ایک درسگاہ تھی اور رات میں ذاکر و شاغل حضرات کی خانقاہ۔

دارالعلوم کا وہ قابل رشک دور! اللہ اکبر! حضرت مولانا تقی صاحب اپنے

والد ماجد حضرت مولانا شفیع صاحبؒ سے اپنے دادا کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ " کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانے میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

(ب) دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور اس کی ضرورت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت اور فرائض نبوت میں دعوت و تبلیغ بھی ہے،

حکیمانہ دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے اس پر اسلام کی بنیاد اس کی قوت اس کی وسعت اور اس کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے، غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے، حق ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن پاک کی یہ ندا

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوْ آمِنُوْا ☆ اے مسلمانو! مسلمان بنو

کو پورے زور وشور سے بلند کیا جائے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفاکشی، وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوت مجاہدہ صرف کیجائے جو دنیا دار لوگ دنیا کے عز و جاہ اور حصول طاقت میں صرف کررہے ہیں، جس میں حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لئے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے کشش سے، کوشش سے، جان و مال سے ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا

جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ (مقدمہ دینی دعوت)

پس ضروری ہے کہ طلبہ اپنی طالب علمی کی زندگی میں فارغ اور چھٹیوں کے اوقات میں اس کی بھی مشق کریں، اس عمومی دعوت و تبلیغ کی محنت کو، اس کے طریقہ کار کو سیکھیں کہ اسی راہ سے امت کے بہت بڑے طبقہ میں دین پہنچے گا، کیونکہ مدارس، خانقاہوں اور مساجد و مکاتب میں تو وہی لوگ آئیں گے جو کچھ نہ کچھ طلب رکھتے ہیں اور یہ امت میں بہت کم فیصد مجمع ہے، امت کا سوادِ اعظم اور بہت بڑا طبقہ تو وہ ہے جو بالکل بے طلب ہیں بے فکر ہیں صرف نام کے مسلمان ہیں، جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایسے بے طلب لوگوں میں دین کی بیداری کی اس کے علاوہ کیا شکل ہوسکتی ہے کہ بے غرض بنکر، قربانیوں کے ساتھ ان میں گھس کر دین کی محنت کی جائے۔

اسی محنت کے ذریعہ ان کی ایمانی پژمردہ چنگاریوں کو ہوا ملے گی اور ان کے اندر کی وہ صلاحتیں ''بمصداق حدیث **اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ**'' انسان کانیں ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں، اجاگر ہوگی اور دین کی طرف منتقل ہوگی۔

اسی محنت سے انسانوں کی زندگیاں بدلے گی اور غلط زندگیوں سے تائب ہوکر صحیح زندگی کی طرف رخ کریں گے اور اس کے نتیجہ میں مدارس کو طلبہ، خانقاہوں کو مریدین، اور مساجد کو مقتدی ملیں گے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اس کام کو ''قرن اول کا ہیرا'' فرمایا کرتے تھے۔

اس پرفتن دور میں جہاں چاروں طرف ایمان سوز ہوائیں چل رہی ہیں، اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اسلام پر اور مسلمانوں پر نت نئے حملے کیے جارہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں سے تنفر کو پھیلایا جارہا ہے اس دعوت کی مبارک

محنت کامل جانا بقول حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے امت پر اللہ کا احسان عظیم اور خصوصی انعام ہے۔

عمومی دعوت وتبلیغ کی مثال

حضرت مولانا الیاس صاحب کے ایک خط کا اقتباس ہے جو میوات کے چند دینداروں کے نام تھا۔

دین کے ادارے اور جتنی بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب دینی امور کے لئے تبلیغ (صحیح اصولوں کے ساتھ ملک بہ ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا) بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے، اور بمنزلہ بارش کے ہے، اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہے، باغات کے ہزاروں اقسام ہیں، کوئی کھجور کا ہے، کوئی اناروں کا ہے، کوئی سیبوں کا ہے، کسی میں کیلے ہیں، اور کوئی پھلواریوں کا باغ ہے، باغ ہزاروں چیزوں کے ہوسکتے ہیں لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا، پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا، زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کے بغیر، یا زمین میں کوشش کر کے خود ان باغات کی مستقل پرورش کئے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پاسکتے۔

سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے، اور سب ادارے باغ ہیں، اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیدوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہورہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب پر عمومی دعوت کا غلبہ اور امت کا درد

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ میں ابتداء سے صحابہ کرام کی والہانہ شان اور ان کی دینی بے قراری کی ایک جھلک تھی، جس کو دیکھ کر شیخ الہند حضرت مولانا محمود

حسن صاحبؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں،   (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت)

حضرت مولانا نے آخری مرض میں ایک روز مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے فرمایا کہ شاہ صاحب! میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا یعنی مدرسہ میں درس دیا تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے، میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم مولوی بننے ہی کے لئے مدرسہ میں آتے ہیں، مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے، پھر ان کے مشاغل وہی ہونگے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں، کوئی طب پڑھ کر مطب کریگا، کوئی یونیورسٹی کا امتحان دیکر اسکول کالج میں نوکری کریگا، کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہے گا، اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل اٹھ گیا۔

اس کے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی کے ساتھ حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا، زیادہ سے زیادہ وہ یہی کہ کچھ صاحب احوال اور ذاکر وشاغل لوگ پیدا ہوجائیں، پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہوجائے، تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لئے آئے، کوئی اولاد کے لئے، تعویذ کی درخواست کرے، کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرائے اور زیادہ سے زیادہ ان کے ذریعہ بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے، یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں، ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص طور سے غافلوں، بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا، اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا، بس ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہوجائیں، بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہوجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایاں شان ہے۔ (دینی دعوت)

عمومی طور پر ہدایت پھیلنے کا راستہ

تعلیم وتعلم کو کتابوں کے نقوش اور مدارس کے حدود میں محدود کر دینا قرون متاخرہ کا طریقہ ہے اور امت کے بہت بڑے طبقہ کو اس دولت سے محروم کر دینے کے مرادف ہے، اسطرح امت کا بہت مختصر طبقہ دین کے علم سے منتفع ہوگا اور وہ بھی اکثر محض نظری اور ذہنی طور پر۔

دین کے تعلیم وتعلم کا فطری اور عمومی طریقہ جس سے لاکھوں افراد بلا کسی ساز و سامان کے تھوڑے وقت میں علم دین نہیں بلکہ نفس دین حاصل کر سکتے ہیں، وہ اختلاط و اجتماع، صحبت سعی وعمل میں رفاقت اور اپنے ماحول سے نکلنا ہے، جس طرح زبان وتہذیب اہل زبان اور مہذب و شائستہ لوگوں کی صحبت و اختلاط سے حاصل کی جاتی ہے اور یہی ان کے سیکھنے کا فطری طریقہ ہے، اسی طرح دین کا صحیح علم اہل دین کی صحبت و اختلاط، رفاقت اور اجتماع سے حاصل ہوسکتا ہے اور یہی وجہ اس کے حصول کا فطری طریق ہے کہ اس کے بہت سے اجزاء ایسے ہیں جو قلم کی گرفت سے باہر ہیں، دین ایک جاندار اور متحرک شے ہے، کتابوں کے نقوش جامد ہیں، جامد سے متحرک کا حاصل ہونا قانون فطرت کے خلاف ہے، دین کا کچھ

حصہ جوارح سے تعلق رکھتا ہے وہ جوارح کی حرکت ہی سے حاصل ہوگا، کچھ حصہ قلب سے تعلق رکھتا ہے، وہ قلب سے قلب میں منتقل ہوسکتا ہے، کچھ حصہ ذہن سے وہ بیشک کتابوں کے صفحات سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اس مضمون کو حضرت مولانا نے ایک مرتبہ اس طرح بیان فرمایا۔

انسان کا ہر عضو ایک خاص وظیفہ کے لئے مخصوص ہے، آنکھ سے دیکھنے کا کام لیتے ہیں، اور اس کام کے لئے وہ مجبور ہے، اس سے سننے کا کام نہیں لیا جاسکتا، اسی طرح بیرونی ماحول کا احساس دل کا کام ہے، دل جس چیز کا احساس کرتا ہے دماغ کا کام اس کی تشکیل کرنا ہے، دماغ دل کے ماتحت ہے اور دل میں احساس ماحول سے پیدا ہوتا ہے، دماغ کی تشکیل کا نام علم ہے، دماغ اسی وقت صحیح تشکیل کرے گا یعنی علم حاصل کریگا جب دل صحیح احساس رکھتا ہو اور یہ احساس جامد کتابوں کی صحبت سے نہیں پیدا ہوسکتا، یہ تو عمل سے ہوگا، میں یہ نہیں کہتا کہ مدرسے بند کردیے جائیں، مدرسے تعلیم کی تکمیل کے لئے ہیں، لیکن ابتداء کے لئے موزوں نہیں۔

حضرت کے اس بیان پر مولانا علی میاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ علم وتعلم کے متعلق ایک ایسا علمی مدلل اور محققانہ بیان اور ایک ایسی گہری تقریر ہے جس کو علمی طور پر اہل علم کو اپنے بحث ونظر اور تلاش وتحقیق کا موضوع بنانا چاہئے، مولانا کی دعوت کا یہ تعلیمی جزو ایسا اہم اور ایک ایسا انقلاب آفریں نظریۂ تعلم ہے جس پر ہمارے تعلیمی اداروں اور اہل علم کو سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنا چاہئے تھا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا۔ (دینی دعوت)

تبلیغی نقل وحرکت موجودہ فتنوں کی سرکوبی اور امراض کا علاج ہے

علم کی ترقی کے لئے یہ دعوت گویا شرط کا درجہ رکھتی ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظات میں ہے۔

''یاد رکھو! کوئی عالم علم میں ترقی نہیں کرسکتا جب تک وہ جو کچھ سیکھ چکا ہے دوسروں تک نہ پہنچائے ، جو اس سے کم علم رکھتے ہیں ، اور خصوصاً ان تک جو کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، میرا یہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے ''مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ'' بر دیگراں پاش کو حق بر تو پاشد'' کفر کی حد تک پہنچے ہوؤں تک علم پہنچانا اصل علم کی تکمیل اور ہمارا فریضہ ہے اور جاہل مسلمانوں تک علم پہنچانا مرض کا علاج ہے۔

مولانا نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا تھا کہ جس طرح ہر زمانے کا ایک خاص فتنہ اور مرض تھا، اس زمانے کا خاص فتنہ اور مرض اپنی دینی حالت پر قناعت اور سکون اور دنیا میں شدت انہماک اور مشغولیت ہے، جس نے دین کے حصول کے لئے زندگی میں فرصت کا کوئی لمحہ نہیں چھوڑا، یہ مشاغل اور تعلقات، اس زمانے کے ''ارباب من دون اللہ'' اور بتان نو'' ہیں جو اپنی موجودگی میں کسی اور طرف توجہ کرنے اور اس کے اثرات قبول کرنے کے روادار نہیں۔ مولانا نے بڑی قوت کے ساتھ اس بات کی دعوت دی کہ دین سیکھنے کے لئے اور دین کے اثرات کو جذب کرنے کے لئے اپنے ماحول سے (عارضی طور پر) نکلنے اور ان بتوں کی گرفت سے آزاد ہونے کی ضرورت ہے، یہ مشاغل و تعلقات قلب سے اتنے چسپاں ہوچکے ہیں کہ کلمہ دین کی حقیقتیں اور اعمال کے اثرات قلب میں داخل ہونے کے لئے کوئی چھوٹے سے چھوٹا دریچہ بھی نہیں پاتے اور اس کی بالائی سطح سے ہی ٹکرا کر رہ جاتے ہیں۔

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کے ہر طبقہ کو دین سیکھنے اور اپنی زندگی میں حقیقی دینداری پیدا کرنے کے لئے نیز دینداروں اور علم دین رکھنے والوں کو اپنی سطح سے ترقی کرنے کے لئے اپنے مشاغل سے کچھ وقت نکالنے اور اپنے کو اس وقت کے لئے فارغ کر لینے کی ضرورت ہے۔ (دینی دعوت)

ایک انتباہ

اس بات کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مدارس و مکاتب اور خانقاہیں اور دعوت و تبلیغ کی نقل و حرکت یہ سارے ہی دین کے شعبے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی ہیں، یہ آپس میں ایک دوسرے کے معارض نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہیں، ان کو آپس میں ایک دوسرے کے معارض سمجھنا، یا کسی ایک کو دوسرے پر ہلکا ظاہر کرنا، یا ان میں افراط و تفریط کا شکار ہونا یہ بہت بڑی جہالت اور نادانی اور حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، یا کسی ایک شعبہ کے کچھ افراد میں کوئی کوتاہی دیکھ کر پورے شعبہ کو ہلکا سمجھنا، یا بے تکے الفاظ کہنا یہ بڑی جہالت اور سخت خطرہ کی بات ہے کہ کچھ نہ کچھ کوتاہیاں تو ہر ایک میں ہوتی ہیں۔

نو فارغین سے مؤدبانہ گذارش

اپنے عزیز طلبہ سے ایک مؤدبانہ گذارش ہے کہ انہی کی برادری کا ایک ادنی فرد ہوں اس لئے اپنا حق بھی سمجھتا ہوں کہ زمانہ طالب علمی ہی سے علم کی پوری محنت اور جدو جہد کے ساتھ فارغ اور تعطیل کے اوقات میں دعوت کی محنت سے بھی انہماک رکھیں کہ سیکھنے کا زمانہ ہے اور جب تعلیمی سال پورے ہو جائیں اور آپ سند فراغت حاصل کر لیں تو اس کے بعد ضرور ایک سال دعوت کی محنت کے لئے فارغ کریں اور اسے مدارس میں لگائے ہوئے سالوں کا تتمہ سمجھیں، اس سے بہت زبردست نفع ہوگا، علم میں جلا پیدا ہوگا، دنیا کا نشیب و فراز سمجھ میں آئے گا اور سب سے بڑی چیز کہ اب آپ فراغت کے بعد فارغ نہیں ہو رہے ہیں بلکہ مشغول ہو رہے ہیں اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہے ہیں، تو آپ کو زندگی کا ایک ڈھنگ اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوگا اور اب تک جو علوم آپ نے مدارس

میں حاصل کیے ہیں، ان کا گویا سال بھر میں دور اور ایک عملی مشق ہو جائے گی اور سال بھر میں عمومی اختلاط سے نفس کی بہترین اصلاح بھی ہوگی، جس پر آپ کی اگلی زندگی کی عمارت کھڑی ہوگی۔

کیونکہ یہ دعوت و تبلیغ کی مبارک محنت صحیح اصول و آداب کے ساتھ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاح نفس کے چاروں طریقوں کی جامع ہے۔

دعوت کی مبارک محنت سے علم و ذکر کا وجود

علم و ذکر پوری شریعت کا سر چشمہ ہے، انہی کے ذریعہ دین کی فضا صحیح معنوں میں بنتی ہے، لیکن ان دونوں کے صحیح معنوں میں وجود میں آنے میں دعوت کی محنت کو بڑا دخل ہے۔

داعی کبیر حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحبؒ کا ایک مکتوب ہے۔

''آج کل مدارس جو علم کے مراکز تھے، اور جن سے دنیا سیراب ہو رہی تھی، اور اللہ کو پہچان رہے تھے، دعوت کی کمی کی وجہ سے مختلف قسم کے زغوں میں آگئے اور حکومتیں ان پر ہاتھ ڈالنے لگیں اور یہ سنت خداوندی ہے کہ جب دین کے شعبوں سے للّٰہیت، اخلاص اور تواضع نکل جاتے ہیں تو بے روح ہو جانے کی وجہ سے حکومتوں کی تحویل میں دیئے جاتے ہیں اور دینی نظام دنیا سے بدل جاتا ہے، اس طرح پورے عالم میں عام طور سے مدارس کا یہی حال ہو رہا ہے، عربی ممالک میں تو دینی مدارس کا نام و نشان باقی نہیں رہا کہ جس میں خالص دین پڑھایا جاتا ہو اور تربیت دینی ہوتی ہو، حق تعالیٰ اس دعوت والی عالی محنت کے ذریعہ مدارس و مراکز ذکر کو زندہ فرمائے اور تقویت عطا فرمائے۔ علم و ذکر ہی اصل چیز ہے جو پورے دین کو وجود میں لاتے ہیں اور مسلمانوں کو صحیح اسلام پر چلاتے ہیں، مگر علم و ذکر

دعوت کے بغیر خود وجود میں نہیں آتے بلکہ ان کو دعوت وجود میں لاتی ہے، اس لئے دعوت کی محنت کرتے رہیں، جن ملکوں میں یہ ہو رہی ہے ان میں علم و ذکر آنے کی استعداد پیدا ہو رہی ہے اور صحابہ کے دور کی طرح گھر گھر میں دونوں چیزیں پہنچ رہی ہیں۔ (مکتوبات مولانا سعید خاں صاحب)

پیغمبرانہ دعوت کے چند اصول

حضرت مولانا تقی صاحب لکھتے ہیں ''حضرت والد صاحب (مولانا مفتی شفیع صاحب) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبرانہ دعوت کے چند امتیازی خصائص ہیں۔

پہلا اصول امت کا فکر

انبیاء علیہم السلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اپنی امت کی اصلاح کی فکر اس شدت سے لگ جاتی ہے کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا داعی اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کو اس پیغمبرانہ فکر کا کوئی حصہ نصیب ہو، چنانچہ اسلاف امت میں سے جن جن کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت عطا فرمائی اور اتنے ہی بہتر ثمرات عطا فرمائے۔

دوسرا اصول دعوت کی لگن

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا دوسرا اہم امتیاز یہ ہے کہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر دعوت میں لگاتار مشغول رہتے ہیں اور حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنی بات متواتر کہے چلے جاتے ہیں، جہاں اور جس موقع پر کسی شخص کو اچھی بات پہنچانے کا موقع مل جائے وہ اسے غنیمت سمجھ کر اپنی بات پہنچا ہی دیتے ہیں۔

دعوت کی اس لگن کا حاصل یہ ہے کہ انسان بات پہنچانے کے مواقع کی تلاش میں رہے، جتنا موقع مل جائے اس سے فائدہ اٹھائے اور دعوت کے کسی مرحلہ پر تھکنے اور اکتانے کا نام نہ لے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کا داروغہ بن کر ان کے پیچھے نہ پڑے، بلکہ اپنی بات موثر انداز میں کہکر فارغ ہوجائے پھر جب دیکھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا تو موقع دیکھ کر پھر کہہ دے، لیکن نہ مسلط ہونے کا طریقہ اختیار کرے اور نہ مایوس ہوکر بیٹھ جائے۔

تیسرا اصول مخاطب کی شفقت

پیغمبرانہ دعوت کا تیسرا اہم عنصر مخاطب کی شفقت ہے، انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا داعیہ شفقت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اپنی برتری جتلانے اور دوسرے کی تحقیر کا ان کے یہاں شائبہ نہیں۔

چوتھا اصول حکمت

پیغمبرانہ دعوت کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے کے لئے ایسا موقع اور ایسا ماحول تلاش کرتے ہیں جس سے ان کی بات زیادہ سے زیادہ موثر ثابت ہوسکے۔

پانچواں اصول موعظت حسنۃ

پیغمبرانہ دعوت کا پانچواں اصول یہ ہے کہ وہ دعوت کے لئے انداز بیان اور اسلوب ایسا اختیار فرماتے ہیں جو نرمی، ہمدردی اور دلسوزی کا آئینہ دار ہو۔

(ماہنامہ البلاغ از اقوال سلف)

دعوت کے اثر پذیر ہونے کی تین شرطیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات حق طریقہ سے حق نیت سے کہی جائے تو کبھی فتنہ پیدا نہ ہوگا، لیکن تین شرطیں ہیں۔

پہلے یہ کہ بات حق ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ نیت حق ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ طریقہ بھی حق ہو۔

کہیں اگر حق کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہوجائے، جھگڑا پیدا ہوجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان تین باتوں میں سے کوئی بات مفقود تھی، یا تو بات حق نہیں تھی، یا بات تو حق تھی لیکن نیت حق نہیں تھی، مثلاً کسی بری نیت سے بات کہی گئی تھی، اپنے کو بڑھانا دوسرے کو گرانا مقصود تھا، نیت خراب تھی، یا اگر نیت بھی صحیح تھی تو طریقہ صحیح نہیں تھا، اگر طریقہ بھی صحیح ہوتا اور نیت بھی درست ہوتی اور بات بھی حق ہوتی تو فتنہ پیدا نہ کرتی، جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی اثر دے جاتی۔

(نقوش وآثار مفکر اسلام)

چھٹا ادب

طالب علم اور اتباع سنت

طالبان علوم نبوت کے لئے یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کا اتباع کرنے کی کوشش کریں، حضورؐ کی زندگی میں اپنی زندگی کو ڈھالنے کی مشق کرتے رہیں، زندگی کے تمام شعبوں میں آپؐ کے طریقوں کو زندہ کرنے کی مشق کرتے ہوئے علم حاصل کریں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں، لباس میں وضع قطع میں، معاشرت ومعاملات میں، لین دین میں، خوشی وغمی میں، تنگی وفراخی میں، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں آپؐ کے طور و

طریق اور سنتوں کا پورا پورا پاس ولحاظ رکھیں اور زمانۂ طالب علمی ہی سے اس کی مشق کرتے رہیں، اس لئے کہ سنت پر محافظت ایسی اہم اور برکت کی چیز ہے کہ اس سے مسلمان حضورؐ کی خوشنودی اور آپؐ کی دعائیں دنیا میں حاصل کرسکتا ہے اور اسی کی بدولت شہداء کا مرتبہ بلکہ سید الاولین و الاخرین محبوب رب العالمین کی معیت و ہمراہی آخرت میں پاسکتا ہے اور بغیر اتباع کے علم وعمل میں ترقیات اور کمال کے درجات حاصل نہیں ہوسکتے۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا ☆ تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

ترجمہ: سعدی! یہ مت سوچ کہ نجات کا راستہ محمدؐ کے نقش قدم کے علاوہ چلا جاسکتا ہے۔

سب سے بڑی کرامت

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی کرامت اتباع سنت ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان میں سنت کی پیروی اور شریعت کی اتباع کس درجہ ہے، اس سے مخلوق کو کس قدر فائدہ پہنچ رہا ہے، کشف و کرامات وغیرہ اصل نہیں، ایک مرتبہ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی کہ لوگ کشف و کرامات دیکھتے ہیں اور جو بات دیکھنے کی ہے وہ نہیں دیکھتے، وہ دو امر ہیں ،اول تو شریعت پر استقامت یعنی شریعت محمدیہ کی کامل پابندی ہو کہ کوئی سنت و مستحب ترک نہ ہوتا ہو اور محرمات کیا مکروہات سے بھی کامل اجتناب ہوتا ہو، اگر یہ نہیں ہے تو عجوبہ باتیں مثلاً کسی پر اثر ڈالنا، کسی کو بے ہوش کردینا، چھوچھا کرنا، کسی کے مرض کو سلب کرلینا وغیرہ تو ہنود کے ہاں گوشائیں بھی کرتے ہیں اور اب سنتے ہیں کہ عیسائیوں میں بھی بعض لوگوں نے ایسی باتیں نکالی ہیں، تو پھر کیا کوئی مسلمان انہیں ولی اللہ اور درویش کامل کہے گا، پھر اللہ والوں میں ایسی باتیں تلاش کرنا نادانی ہے، دوسری

بات یہ ہے کہ اگر کرامت دیکھنے کی ہے تو یہ ہے کہ اس کی ذات سے، اس کے فیض صحبت سے کتنے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، یہ کرامت مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ لائق قدر ہے اور اس کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

(سیرت مولانا محمد علی مونگری)

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ داہنے پاؤں سے مسجد میں داخل ہونا یہ سنت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، پس اگر کوئی سو مرتبہ ہوا پر اڑتا ہو تو وہ اس شخص کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جس نے ایک سنت پر عمل کیا، کیونکہ سنت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھ جاتا ہے اور اللہ سے محبت میں ترقی ہوتی ہے اور آدمی اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور ہوا میں اڑنے سے قرب الی اللہ میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوتا، چڑیا بھی ہوا میں اڑتی ہے۔

وصول الی اللہ کا راستہ اور ایک نسخہ کیمیا

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں چلنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہاتھ میں اللہ کی کتاب ہو اور دوسرے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو، ان دونوں کی روشنی میں بندہ اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔

بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ''اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ'' یعنی اللہ تک پہنچنے کے اتنے راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی سانسیں ہیں، مگر اللہ تک پہنچنے کے سارے دروازے بند کردئے گئے ہیں، صرف ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا دروازہ ہے، یعنی جو آپ کے نقش قدم پر چلے گا وہی خدا تک پہنچے گا۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں، آیئے ہم آپ کو ایک نسخۂ کیمیا بتائیں، وہ یہ ہے کہ ہم جو بھی کام کریں، اس میں سنت کا لحاظ

کریں، مثلاً جب کھانا کھائیں تو اکڑو بیٹھ کر یا ایک پاؤں کھڑا کر کے کھائیں۔ یہ سمجھ کر کہ یہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح جب سونے کے لئے لیٹیں تو دائیں کروٹ پر لیٹیں کہ یہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اسی طرح ہر کام کو اس استحضار کے ساتھ کریں کہ یہ اللہ کے محبوب کی سنت ہے، چند روز کوئی اس طرح کر کے دیکھ لے، اگر وہ صاحب نسبت نہ ہو جائے تو میرا ذمہ ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ کا یہی مطلب ہے کہ میری چال چلو۔

قطب وابدال بننے کا راستہ

حضرت مولانا یوسف صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے یہاں ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ تشریف لائے، دونوں بزرگوں میں کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، دوران گفتگو حضرت جی مولانا یوسف صاحب نے اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ جب میں بچپن میں میزان و منشعب پڑھ رہا تھا، تو حضرت جی (مولانا الیاس صاحب) نے فرمایا یوسف! تجھے میں قطب بننے کا راستہ بتاؤں؟ میں نے اپنے دل میں بغیر قطب وابدال کے مراتب پر غور کئے اور غور ہی کیا کرتا اس وقت تو طفل مکتب تھا عرض کیا حضرت! بتایئے قطب بننے کا کیا راستہ ہے؟ حضرت جی نے فرمایا یوسف! جس جگہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل ہو رہا ہو اس کے مقابلہ میں سنت کو رواج دینے کے لئے محنت بغیر جگہ اور وقت کی تقیید کئے کرنا یہ قطب وابدال بننے کا راستہ ہے۔

(سوانح یوسفی)

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ غوث ہو یا قطب جو خلاف شرع کرے وہ کچھ بھی نہیں، پھر ارشاد فرمایا کہ اتباع سنت یہی غوثیت اور قطبیت ہے۔ (اقوال سلف)

روحانی زیارت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہیں، مگر بھائی یہ تو اپنے اختیار میں نہیں ہے، لہٰذا میں ایسا طریقہ بتلاتا ہوں کہ آپؐ کی ہر وقت روحانی زیارت ہوتی رہے، وہ یہ کہ ہر وقت کی، ہر موقع کی سنت کو مستحضر رکھیں اور یاد کرکے ان پر عمل کی سعی کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال وتصور دل و دماغ پر چھایا رہے گا، اور یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔ (تذکرۃ مصلح الامت)

ہمارے اسلاف واکابر کی اتباع سنت میں امتیازی شان

ہمارے اکابر کا سب سے بڑا وصف اور اعلیٰ کمال علم ظاہری کی بصیرت تامہ کے ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور جذبۂ حب رسول تھا، اسی اہم خصوصیت اور عظیم الشان صفت کے نتیجہ میں انہیں کمال اتباع بھی حاصل ہوا جو ہر کمال کا سرچشمہ ہے، اطاعت رسول کے جذبات ان کی رگوں میں خوں کی طرح دوڑتے تھے، شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے ہر ہر عمل پر مرمٹنے کو باعث عزت سمجھتے تھے، حب نبی میں سرشار ہونا، شریعت مطہرہ کے رنگ میں رنگین ہونا ان کا سرمایۂ زندگی تھا ان میں سے ہر ایک کا یہ حال تھا

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

اس بے بہا سرمایہ ہی کی وجہ سے وہ کمالات کی بلندیوں اور حیرت ناک رفعتوں سے سرفراز ہوئے تھے، انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اور نصب العین خدمت کلام حق اور اشاعت سنت رسول برحق کو قرار دیکر اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کو اسی پر قربان کردیا، ان کی صحبت صحابۂ کرام کی یاد تازہ کردیتی تھی اور

بے پناہ عشق رسول کے جذبات ہمنشینوں کے دل کی گہرائیوں میں بھر دیتی تھی۔

علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب واحترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہؒ کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں

لَاوَاللّٰہِ مَارَئَیْتُ اَحَدًا اَشَدَّ تَعْظِیْمًا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا اَحْرَصَ عَلٰی اِتِّبَاعِہٖ وَنَصْرِ مَاجَاءَ بِہٖ مِنْہُ	خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب و احترام کرنے والا اور آپ کے اتباع اور آپ کے دین کی نصرت کی حرص

رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا، یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے۔

علامہ عماد الدین الواسطی فرماتے ہیں

مَارَئَیْنَا فِیْ عَصْرِ نَاھٰذَا مَنْ تَسْتَجْلٰی النُّبُوَّۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃُ وَسُنَنُھَا مِنْ اَقْوَالِہٖ وَاَفْعَالِہٖ اِلَّاھٰذَ الرَّجُلُ یَشْھَدُ الْقَلْبُ الصَّحِیْحُ اَنَّ ھٰذَا ھُوَالْاِتِّبَاعُ حَقِیْقَۃً	ہم نے اپنے زمانے میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمدی کا نور ان کی زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے اقوال و افعال میں عیاں تھا' قلب سلیم اس کی شہادت دیتا تھا

کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اس کا نام ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

معرکۂ شاملی کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے کہ شاملی تحصیل پر حملہ آور یہی لوگ ہیں، پس حضرت حاجی صاحب تو حجاز کے لئے روانہ ہوگئے، مولانا رشید احمد صاحب گرفتار ہوگئے اور مولانا قاسم صاحب ساتھیوں

کے اصرار پر تین دن روپوش رہے۔

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے عام چلنے پھرنے لگے، لوگوں نے پھر روپوشی کے لئے عرض کیا، تو فرمایا تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک روپوش رہے۔ (سوانح قاسمی)

اندازہ کیجئے اس وقت ظالم انگریز کا ظلم و جور اپنے نقطۂ عروج پر تھا، لیکن حجۃ الاسلا اپنی حیات سے بے نیاز ہوکر اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اضطراری کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور تین دن کے بعد فوراً نکل آئے اور کھلے عام گھومنے لگے، اس روپوشی کی حالت میں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق و محبت کا تعلق اور رابطہ مستحکم ہی رکھا اور اس نازک حالت میں بھی سنت پر نگاہ جمی رہی

تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو ☆ ہر قفس میں روز خواب آشیاں دیکھا کئے

(بیس بڑے مسلمان)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور اتباع سنت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جو ہمارے اکابر میں ہیں، بڑے محدث اور بزرگ ہیں مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ تھا، اس میں آپ تشریف لائے، مجمع کئی ہزار کا تھا، اذان کے بعد آپ نماز کے لئے چلے، مسجد ایسے وقت میں پہنچے جب کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز کے لئے کھڑے ہوچکے تھے، تکبیر تحریمہ ہوچکی تھی حضرت کو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا بہت رنج ہوا۔

چنانچہ نماز کے بعد لوگوں نے محسوس کیا کہ حضرت بہت زیادہ غمگین ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر بعض خدام نے عرض کیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بڑے ہشاش بشاش تھے، کیا بات ہوگئی؟ جس کی وجہ سے اس قدر غمگین ہیں، تو فرمایا رشید احمد

کے لئے اس سے بھی زیادہ غم کی کوئی بات ہوسکتی ہے کہ آج بائیس برس کے بعد اس کی تکبیر اولی فوت ہوگئی، دیکھا آپ نے یہ ہے اتباع سنت!

حضرت شیخ الہند اور اتباع سنت

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندی (جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ لوگ ان کو شیخ الہند کہتے ہیں حالانکہ وہ شیخ العالم تھے) کے قدم ایک مرتبہ کثرت عبادت کی بناء پر ورم کر گئے، تو اس پر خوش ہوکر فرمایا کہ آج ایک سنت ''حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ'' ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کثرت قیام کی بناء پر ورم کر جایا کرتے تھے'' پر اتباع نصیب ہوا ہے۔
(ملفوظات فقیہ الامت)

حضرت مولانا الیاس صاحب اور اتباع سنت

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو اتباع سنت کا جیسا اہتمام تھا اس کی نظیر اس زمانے میں ملنی مشکل ہے، ان کے اس اہتمام والتزام سے ائمہ سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی سنتوں کی تلاش اور تتبع پھر ان کی پابندی اور اشاعت کا شوق، چھوٹی اور جزئی سنت کو بھی عملاً بڑا اور اہم سمجھنا مولانا کا طبعی ذوق تھا، آخری دن جو زندگی کا مصروف ترین دن ہوتا ہے شیخ الحدیث مولانا زکریا کو بلا کر بڑے اہتمام سے فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور عادات واخلاق کا تتبع کر کے ان کے پھیلانے کی جتنی سعی کر سکتے ہو کرتے رہو۔

محبت و اتباع کے غلبہ نے عبادات کے علاوہ عام عادات پر بھی اثر کیا تھا، عادات وطبعی امور میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کو آپ کا جی چاہتا تھا، مرض الوفات کے درمیانی زمانے میں دو آدمیوں کی مدد سے مسجد میں نماز کے لئے آتے، چاہتے تھے کہ اس میں بھی وہی مسنون کیفیت ہو جو آنحضرتؐ

کی مرض وفات میں مسجد میں آنے کی احادیث میں بیان کی گئی ہے ''فَقَامَ یُهَادِیْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِی الْاَرْضِ'' دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے اور پاؤں پر زور نہیں دے سکتے تھے کبھی اگر اس کے خلاف کیفیت ہوتی تو گرانی ہوتی۔ (مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور اتباع سنت

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر پہلو میں اتباع سنت کا رنگ نمایاں تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ حضورﷺ کا اس موقع پر طرز عمل کیا تھا، مرض الوفات میں جب بغیر سہارے کے بیٹھ نہیں سکتے تھے تو تکیہ کا سہارا لگایا جاتا یا کوئی فرد بیٹھ کر سہارا دے رہتا، ایسی حالت میں ایک بار آپ تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا، گھر کے افراد نے کہا آپ اسی طرح ٹیک لگائے ہوئے کھانا تناول فرمائیں تو فرمایا کہ بھائی! رسول اللہﷺ نے ٹیک لگا کر کھانے سے منع فرمایا ہے، پھر تکیہ سے ہٹ کر آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ (آثر شیخ الاسلام)

ساتواں ادب

طالب علم اور استغنا و غنائے قلب

طالبان علوم نبوت کے لئے یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ طالب علمی کے زمانے سے ہی استغنا، خودداری اور بے نیازی کی کیفیت پیدا کریں، حرص و ہوس اور مخلوق کے تاثر سے دل پاک ہو، دنیا کی بڑی سے بڑی دولت دل و نگاہ میں بے حیثیت ہو، کیونکہ آپ بہت بڑی دولت حاصل کرنے جارہے ہیں، جس کی قیمت دنیا کی کوئی چیز نہیں بن سکتی، اس دولت کی عظمت کا اندازہ لگائیں کہ اللہ

تعالیٰ نے صرف اسی دولت علم کو "خیر کثیر" کہا ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کو بھی خیر کثیر نہیں کہا ہے ارشاد باری ہے "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" جس کو دین کا فہم اور علم مل گیا اس کو بہت بڑی دولت مل گئی۔

پس اتنی عظیم دولت کو لے کر کسی ادنیٰ دولت پر نظریں جمانا، حقیر شی سے متاثر ہوجانا یہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اور اپنی قدر کو نہ جاننا ہے۔

خدارا! آپ اپنی عظمت اور اپنی قیمت کو پہچانئے! آپ کا کیا مقام ہے آپ نیابت نبوت کا تاج اپنے سر پر رکھنے جارہے ہیں، لہٰذا آپ کی وہی شان ہونی چاہئے جو شان انبیاء علیہم السلام کی اور تمام نبیوں کے سردار تاجدار مدینہ ﷺ کی تھی، ہر نبی کا متفقہ نعرہ تھا، لَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔

لہٰذا کسی کی ادنیٰ دولت اور دنیا پر رال ٹپکانا، یا اس کی طرف کسی طرح کا میلان یا اس کا حرص ولالچ یا کسی جاہ وجلال اور مال ومنال والے سے حق کہنے میں مرعوبیت اور اس کی جی حضوری یا کسی سے دنیا کے بارے میں سوال یا اشراف نفس یہ چیزیں شان نیات نبوت کے بالکل منافی ہیں اور علم وحکمت کے صاف ستھرے دامن کو داغدار کرنے کے مرادف ہیں۔.......... بلکہ آپ کی تو یہ شان ہو کہ اللہ کی ذات عالی کے ساتھ کامل یقین وتوکل کی کیفیت پیدا ہو اور ایسا کامل وثوق پیدا ہو کہ اپنے منصب ومقام کی عظمت وعلو مرتبت ساری فانی چیزوں کے مقابلہ میں ظاہر ہوجائے اور کبھی بقضا وقدر تنگی اور فقر کے حالات بھی آجائیں تو آپ کی شان یہ ہو "يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ" آپ اپنے حال میں ایسے مست ہیں کہ دیکھنے والا آپ کو پہچان ہی نہیں سکتا کہ آپ کن حالات سے دوچار ہیں؟ وہ تو آپ کو خوش حال اور صاحب مال گمان کررہا ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا علماء انبیاء کے امین ہیں، انہیں ہدایت خلق کی امانت سپرد ہوئی ہے، لیکن یہ اسی وقت تک ہے کہ بادشاہوں

سے ربط نہ رکھیں، رکھیں گے تو انبیاء سے خیانت کریں گے، تم ان سے پرہیز کرنا دور رہنا۔ (جامع بیان العلم)

استغنا اور صفات کے بنانے کا زمانہ

آپکا یہ طالب علمی کا زمانہ صفات کو بنانے کا زمانہ ہے، یہ صفات اسی زمانۂ تلمذ کی تمرین و مشق اور محنت سے اور علم کی صحیح عظمت و وقار اور قدر دانی کرتے ہوئے اس کے آداب کی رعایت کے ساتھ حاصل کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور اس زمانے میں جو صفات بنتے ہیں وہ آخر تک رہتے ہیں۔

اللہ والوں کے اور حقیقی علم رکھنے والوں کے حالات کو دیکھئے! وہ اسی شان استغنا کے ساتھ زندگی گذارتے تھے، ان کی نگاہیں صرف اللہ کی ذات عالی کے ساتھ وابستہ تھیں، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ان کی دعوت کی راہ میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی سدراہ نہیں بنی، ان کی شان تھی "لَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" بڑے بڑے امراء حکماء اور بڑی سلطنتوں کے سامنے بھی مرعوب نہیں ہوئے، سپر طاقتوں نے بھی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے، .... یہ ان کی شان استغنا، خدا ترسی، اور جذبۂ اخلاص وللّٰہیت کی برکت تھی کہ بالکل بے سروساماں ہوکر بھی زمانے پر حاوی تھے۔

پس ہمارے عزیز طلبہ بھی اپنے بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کریں، مطالعہ کا ذوق پیدا کریں، ان کی سی زندگی سیکھیں، ایسے صفات اپنے اندر لانے کی کوشش کریں، علم کی اور اپنی صحیح قدر جانیں، آپ بے سروسامان نہیں ہیں، بے یار و مددگار نہیں ہیں، بلکہ ساری دنیا سے بڑی دولت آپکے ہاتھ میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اتنی بڑی دولت ہاتھ میں ہو اور آپ قدر نہ جانیں۔

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

مخلوق سے بے نیازی علم اور اہل علم کی عزت وعظمت کا باعث ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے ''اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اسے اس کی جگہ رکھتے تو اپنے زمانے کے سردار بن جاتے، مگر انہوں نے علم کی قدر نہ جانی اور اسے دنیا والوں کے قدموں پر ڈال دیا تاکہ ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کرلیں نتیجہ یہ نکلا کہ ذلیل وخوار ہوگئے۔ (جامع بیان العلم)

ابو حازم کا بیان ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک مدینے آیا، تو دربار میں فقہاء جمع ہوئے، زہری میرے قریب بیٹھے تھے، کہنے لگے کوئی اچھی بات سنایئے، میں نے کہا تو سنو! اگلے فقہاء وعلماء اپنے علم کے مقابلہ میں دنیا داروں کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان سے مستغنی رہا کرتے تھے، اسی لئے دنیا داران کی قدر کرتے اور ان سے تقرب میں اپنی عزت سمجھتے تھے، مگر آج فقہاء وعلماء کی حالت دوسری ہے، انہوں نے دنیا کی طمع میں اپنے علم کو دنیا داروں کی خوشامد وخدمت پر وقف کردیا ہے، دنیا داروں نے خود علماء میں علم کی یہ بے قدری دیکھی تو خود بھی علم کو حقیر سمجھنے لگے اور اپنی دنیا پر اور زیادہ فریفتہ ہوگئے۔

محمد بن سحنون نے بیان کیا، ایک عالم تھا، اس کا بھائی روز رات کو چھپ کر قاضی اور والی (گورنر) کے سلام کو جایا کرتا تھا، عالم کو خبر ہوئی تو بھائی کو لکھا ''جو تجھے دن کو دیکھتا ہے وہی رات کو بھی دیکھتا ہے، تیرے نام یہ میری آخری تحریر ہے'' محمد کہتے ہیں کہ میرے والد سحنون یہ واقعہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا عالم کے لئے یہ کس قدر معیوب ہے کہ لوگ اس کے دروازے پر پہنچیں اور معلوم ہو کہ وہ حاکم کی ڈیوڑھی پر حاضری دینے گیا ہے۔ (جامع بیان العلم)

اسماعیل بن علیہ نے جب تحصیل داری کا منصب قبول کرلیا تو عبداللہ بن مبارک نے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجے

يَاجَاعِلَ الْعِلْمِ لَهٗ بَازِيًا ‏ ‏ يَصْطَا دُ اَمْوَالَ الْمَسَاكِيْنِ

(علم کو باز بنا کر غریبوں کا مال شکار کرنے والے،

اَحْتَلْتَ لِلدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا ‏ ‏ بِحِيْلَةٍ تُذْهِبُ بِالدِّيْنِ

دنیا اور اس کی لذتوں کے لئے تو نے ایسا حیلہ تراشا ہے جو دین کو بھی لے ڈوبے گا،

فَصِرْتَ مَجْنُوْنًا بِهَا بَعْدَ مَا ‏ ‏ كُنْتَ دَوَاءً لِلْمَجَانِيْنِ

عشق دنیا میں مجنون ہوگیا ہے، حالانکہ تو خود مجنونوں کی دوا تھا۔

اَيْنَ دَرْسُكَ الْعِلْمَ بِاٰثَارِهٖ ‏ ‏ وَتَرْكُكَ اَبْوَابَ السَّلَاطِيْنِ

وہ تیری علمی سرگرمی اور شاہی ڈیوڑھیوں سے بیزاری کیا ہوئی؟

تَقُوْلُ اُكْرِهْتَ فَمَاذَا كَذَا ‏ ‏ زَلَّ حِمَارُ الْعِلْمِ فِي الطِّيْنِ

کہتا ہے مجبور کر دیا گیا ہوں، غلط، یوں کہہ کہ علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل پڑا ہے۔

لَاتَبْتَغِ الدُّنْيَا بِدِيْنٍ كَمَا ‏ ‏ يَفْعَلُ ضَلَالُ الرُّهْبَانِيِّيْنَ

دیکھ گمراہ احبار ورہبان کی طرح دین کی راہ سے دنیا طلب نہ کر۔ (حوالہ بالا)

اسلاف کی حق گوئی و بے باکی

خلیفہ معتضد باللہ نے ۲۸۴ھ میں ارادہ کیا کہ امیر معاویہ پر برسر منبر لعنت کی جائے، خلیفہ کے وزیر خاص عبداللہ نے منع کیا کہ سوتے فتنے کو جگانا اچھا نہیں، لوگوں میں شورش ہوگئی تو سنبھالا مشکل ہوجائے گا، مگر خلیفہ نے نہ مانا اور احکام جاری کر دیئے۔

قاضی یوسف نے جب سنا تو دوڑے ہوئے آئے اور ہر چند کہ جانتے تھے کہ جب خلیفہ نے اپنے وزیر کی نہیں مانی تو میری کیا سنے گا، لیکن اس حکم کا نتیجہ چونکہ وہ ملک اور مالک دونوں کے لئے برا سمجھتے تھے، اس لئے خلیفہ سے بے باک کہہ دیا کہ آپ وہ غلطی کر رہے ہیں جس کی اصلاح بعد میں نہ ہوسکے گی، چاروں

طرف آگ لگ جائے گی اور بجھاتے نہ بجھے گی۔

خلیفہ نے کہا اس آگ کو آب شمشیر سے بجھاؤنگا، قاضی صاحب نے پھر کہا جوش، غصہ اور ضد کا یہ وقت نہیں ہے، سلطنت کو بیٹھے بٹھائے آپ مصیبت میں پھنسا رہے ہیں، خلیفہ نے یہ سن کر تھوڑی دیر غور کیا اور اپنے احکام منسوخ کردئے۔

ابوالحسین نوری (خلیفہ معتضد باللہ کے زمانے کے بہت بڑے عالم) ایک دفعہ دریا میں سفر کررہے تھے، کشتی میں بہت مٹکے دیکھے، ملاح سے پوچھا ان میں کیا ہے؟ کہا شراب ہے اور خلیفہ معتضد باللہ نے منگوائی ہے۔

ابوالحسین نے لکڑی لے کر ایک ایک مٹکے کو توڑنا شروع کیا، تمام حاضرین تھرا گئے کہ دیکھئے کیا غضب ہوتا ہے۔

معتضد کو خبر ہوئی تو اس نے ابوالحسین کو پکڑ بلوایا، یہ گئے تو معتضد ہاتھ میں گرز لئے بیٹھا تھا، ان کو دیکھ کر پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، محتسب معتضد نے کہا تجھ کو محتسب کس نے مقرر کیا؟ انہوں نے فرمایا جس نے تجھ کو خلیفہ مقرر کیا۔

یہ تیسری صدی کے علماء کا حال تھا، لیکن پانچویں صدی ہجری میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ امام غزالی کو احیاء العلوم میں علماء سلف کے اس قسم کے دلیرانہ واقعات بیان کرنے کے بعد لکھنا پڑا۔

”لیکن آج کل طمع نے علماء کی زبانیں بند کردی ہیں، اس لئے وہ چپ ہیں، اور اگر کچھ کہتے ہیں تو ان کی حالت ان کے قول کے مطابق نہیں ہوتی، اس وجہ سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔“

(ناقابل فراموش واقعات بحوالہ الغزالی مصنفہ علامہ شبلی نعمانی)

شمس الائمہ سرخسی کی حق گوئی و بے باکی

محمد ابن احمد ابن ابی سہل سرخسی شمس الائمہ سرخسی کے نام سے مشہور ہیں،

خلیفہ القادر باللہ کے عہد میں ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے، بڑے حق گو اور حریت پسند تھے، کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف نہ کرتے تھے، بادشاہ کو اس کے بعض نقائص سے آگاہ کیا، اسے بتایا کہ رعب اور طاقت کے زور سے رعایا خاموش تو ہو جاتی ہے، مگر مطیع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے دلوں پر حکومت ہو سکتی ہے، رعایا کا دل صرف اسی طریق سے قابو کیا جا سکتا ہے کہ سختیاں دور کی جائیں، ان کی فریاد اور چیخ و پکار سنی جائے اور ہر طرح افراد رعایا کی دلجوئی کی جائے۔

بادشاہ ایسی آزادانہ گفتگو سننے کے بہت کم عادی ہوتے ہیں، اس نے ناراض ہو کر شہر روز جند میں ایک پرانے کنویں کے اندر قید کر دیا، آپ عرصہ تک وہاں قید رہے، آپ کے شاگرد کنویں پر آ کر آپ سے سبق پڑھتے رہے اور آپ جو کچھ کنویں کے اندر سے کہتے وہ اسے لکھتے جاتے، قید کی حالت میں ہی چار پانچ ضخیم کتابیں تیار ہو گئیں۔

آخر رہا ہوئے اور فرغانہ پہنچے، امیر فرغانہ نے بڑی عزت کی، آپ کے تمام شاگرد بھی اسی جگہ آ گئے اور یہاں بھی فقہ و حدیث کا درس جاری ہو گیا، آپ کی وفات ۴۹۰ھ اور بقول بعض ۵۰۰ھ میں ہوئی یہ المستظہر باللہ کا زمانہ تھا۔

(ناقابل فراموش واقعات)

علامہ ابن تیمیہ کی حق گوئی و بے باکی

تقی الدین ابن تیمیہ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتاویٰ میں بڑے بڑے عالم آپ کے آگے خاموش رہتے تھے، چال چلن کی پاکیزگی اور حریت و حق گوئی نے علم کی روشنی کو دوبالا کر دیا، حق بات کہنے میں شمشیر برہنہ تھے۔

قبول عام کے سبب اس زمانے کے اکثر علماء بھی آپکے دشمن ہو گئے تھے،

چند مسائل کے متعلق جو اس زمانے کے مذاق کے مخالف تھے، سلطان مصر کو بھی علماء نے آپ کا مخالف کر دیا تھا، بڑا بھاری مسئلہ زیارت قبور کا تھا، انہی وجوہات سے آپ مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے، آپ کی وفات بھی بحالت قید ہی قلعہ دمشق میں واقع ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے سامنے مصر کے ایک حاکم کی کسی نے شکایت کی کہ وہ امیر وغریب گنہگار و بے گناہ سب کے ساتھ سختی اور تشدد سے پیش آتا ہے، آپ اس کے پاس گئے، اس نے مذاقاً کہا آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود ہی حاضر ہو جاتا آپ نے فرمایا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلاموں کا سا بھی رتبہ نہیں رکھتا، اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو بھی پیچھے چھوڑ رہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حال میں بھی ہر روز تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے اور اس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے، پھر میں تمہارے پاس خود کیوں نہ آؤں۔

۲۲ ذی القعدہ ۷۸۳ھ کو آپ نے وفات پائی، جنازے میں دو لاکھ آدمی تھے۔ (ناقابل فراموش واقعات)

حسن بصری کی حق گوئی و بے باکی

حضرت حسن بصریؒ اپنے زمانے میں حق گوئی و بے باکی، اخلاقی جرأت وشجاعت میں بھی ممتاز تھے، انہوں نے خلیفۂ وقت یزید بن عبدالملک پر برملا تنقید کی۔

ایک موقع پر بر سر درس کسی شخص نے سوال کیا کہ اس زمانے کے فتن (زید ابن المهلب اور ابن الاشعث کی شورش) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا ''نہ اس کا ساتھ دو نہ اس کا ساتھ دو'' ایک شامی نے کہا 'اور نہ امیر المومنین کا'' یہ سن کر آپ کو غصہ آ گیا، پھر ہاتھ اٹھا کر کہا ''ہاں نہ امیر المومنین کا! ہاں نہ

امیر المومنین کا‘‘!

حجاج کی تلوار اور سفا کی مشہور ہے مگر حضرت حسن کی زبان اس کے زمانے میں بھی اظہار حق سے باز نہ آئی اور اس کے متعلق بھی انہوں نے اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ا ص ۳۶)

امام بخاری کی امیر بخارا سے آزادانہ گفتگو

امام بخاری جب جامع علوم وفنون ہو کر اپنے وطن واپس آئے تو شہر کے لوگوں نے دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا، یہاں تک کہ دینار و درہم آپ پر نثار کئے گئے۔

جاہ طلب اور دین فروش لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور ہر مقبول ومحبوب آدمی محسود ضرور ہوتا ہے، اس لئے اکثر علماء نے امیر بخارا (خالد ابن احمد الذہلی) کو آپ کی عزت وعظمت سے خوف دلایا، بظاہر ناراضگی کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لئے امیر نے امام صاحب کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ اپنی کتاب بخاری شریف اور تاریخ مجھے آکر سنا جایا کریں۔

آپ نے فرمایا امیر سے کہدو میں علم دین کو ذلیل نہیں کرسکتا کہ سلاطین اور امراء کے دروازوں پر لئے پھروں، اگر امیر کو علم حدیث کی ضرورت ہے، خواہش ہے تو وہ میرے مکان یا میری مسجد میں آکر لوگوں کے ساتھ پڑھا کرے، کیونکہ حدیث رسول امراء وسلاطین کے لئے نہیں بلکہ عام مسلمانوں کیلئے بھی ہے۔

امیر آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بہت ناراض ہوا اور آپ کو بخارا سے جلا وطن کردیا، آپ وہاں سے ختنک (مضافات سمرقند) میں چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے اسی جگہ انتقال فرمایا۔ (حوالہ بالا)

واقعی ہمارے علماء ومشائخ پر ایک وہ زمانہ بھی گذرا ہے کہ بادشاہوں اور

وزیروں اور بڑے رتبے کے لوگوں سے ملتے تو بلا مرعوبیت کے ان کو ایسی نصیحت کرتے جو حکمرانی کے لئے مفید ہوتیں، ان میں جو عیوب و نقائص دیکھتے تھے برملا کہہ دیتے تھے، حق کے اظہار سے جان تک کا خوف نہ کرتے تھے۔

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوف سلطان و وزیر

اسلاف کی شان استغنا

حسین بن علی سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے حج کیا اور مدینے میں حاضری دی، امام مالک زندہ تھے، ان کی خدمت میں پانچ سو دینار کا توڑا بھیجا، پھر جب وہ واپس ہونے لگا تو کہلایا ''امیر المومنین کی خوشی ہے کہ آپ ان کے ساتھ بغداد تشریف لے چلیں'' یہ سن کر امام مالک نے قاصد سے کہا، اپنے آقا سے کہہ دینا کہ تمہاری تھیلی اسی طرح سر بمہر رکھی ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''مدینہ اپنے باشندوں کے لئے بہترین مقام ہے بشرطیکہ وہ سمجھیں''
(جامع بیان العلم)

ابراہیم حربی امام احمد بن حنبلؒ کے شاگرد تھے اور بغداد میں خلیفہ معتضد کے زمانہ میں تھے، خلیفہ کے محل کے پاس ان کا مکان تھا، مگر ان کے استغناء کا یہ حال تھا کہ زندگی بھر کبھی معتضد کے دربار میں نہیں گئے، باوجود یکہ وہ ہمیشہ خواہش مند رہا۔

ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی ابوعلی خازن رئیس مرو (ایران) کے غلام تھے، بڑے عالم و فاضل خصوصاً علوم ہندسہ میں کامل مہارت رکھتے تھے، سلطان سنجر سلجوقی ان پر بہت ہی مہربان تھا، عبدالرحمٰن نے آخر عمر میں جب گوشہ نشینی اختیار کر لی تو سلطان نے ایک مرتبہ ان کے پاس پانچ ہزار روپئے کے دینار بھیجے، انہوں نے

سب واپس کر دیئے اور کہلا بھیجا "میرا سالانہ خرچ صرف پندرہ روپے ہے" صبح کو دو روٹیوں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس وقت میرے پاس پچاس روپے موجود ہے اگر یہ سارے خرچ ہو جائیں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے آج کون ہے؟ جو اس قناعت اور بے غرضی کا نمونہ پیش کر سکے۔ (نظام الملک طوسی حصہ دوم)

ایک مرتبہ شہنشاہ عالمگیر نے صوبہ کشمیر کو لکھا کہ کشمیر کے نامی علماء کو ہماری طرف سے بطور پرورش جاگیرات اور زر نقد عطا کیا جائے، صوبۂ کشمیر نے جب اس پر عمل کرتے ہوئے علامہ عبدالشکور کو زر نقد بھیجا اور جاگیر کی خوش خبری سنائی تو انہوں نے عالی ہمتی سے کام لے کر دونوں باتوں سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں عالم نہیں ہوں اور نہ علم کی اشاعت اس غرض سے کرنا چاہتا ہوں، جو کچھ مجھے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تھوڑی بہت علم دین کی نعمت عطا کی ہے میں بطور صدقہ جاریہ اپنی خوشی سے خلق خدا کو پہنچا رہا ہوں، اس جواب سے علامہ کی وقعت اور بھی زیادہ ہوگئی۔

بابا فرید الدین گنج شکر کا استغناء

سلطان ناصر الدین ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن جس کا نام الف خان تھا کے ساتھ اوچھ اور ملتان کی طرف گیا، جب پاک پتن میں پہنچا تو الف خان کے ہاتھ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے پاس کچھ زر نقد معہ فرمان معافی جاگیر و عطیہ بھیجا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ جو کچھ حاضر کیا جاتا ہے وہ آپ کے لئے نہیں بلکہ آپ کے متعلقین اور مسافروں کے لئے ہے جو اکثر آپ کے پاس فیض حاصل کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ زر نقد تو فقراء پر تقسیم کر دو اور مصائب و آفات کا یہ پیش خیمہ یعنی یہ فرمان جاگیر واپس لے جاؤ۔

کیا استغناء تھا، کیا بے غرضی تھی، جو کام کرتے تھے خلوص سے کرتے تھے، نہ ستائش کی پرواہ تھی نہ صلہ کی تمنا۔ (ناقابل فراموش واقعات)

شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا استغناء

مولوی محبّ اللہ خان صاحب نے بیان فرمایا کہ ہم سے نواب کلب علی خان والیٔ ریاست رامپور بے تکلفی رکھتے تھے اور بہت محبت کرتے تھے، ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب محدث اگر رامپور میں ہمارے پاس تشریف لائیں تو بہت خوب ہو، کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں، جو شاہ عبدالعزیزؒ کے صحبت یافتہ ہیں، اس پر مولوی موصوف نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ان کو ہم لائیں تو آپ ان کے لئے کیا نذر کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا لاکھ روپیہ! مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرونگا، چنانچہ مولوی محبّ اللہ کہتے تھے کہ ہم گنج مرادآباد پہنچے اور مولانا سے ملے، سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں، پھر ہم نے عرض کیا کہ رامپور تشریف لے چلئے، نواب کلب علی خان آپ کے بہت مشتاق ہیں اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے، آپ جس طرح سے بات کررہے تھے اسی طرح کرتے رہے اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا اور فرمایا کہ میاں لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو اور بات سنو ؎

جو ہم دل پر ان کا کرم دیکھتے ہیں — تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سب عشق وغیرہ کی کہانی کرتے رہے۔ (اقوال سلف ج۴ ص۹۴)

مولانا محمد علی مونگیریؒ کا غنائے قلب

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مرادآبادیؒ کے صحبت یافتہ اور مجاز بیعت تھے، حدیث سے فطری مناسبت تھی، خود

فرماتے ہیں ''حدیث کے فراغ کے بعد جو نعمت غنائے قلب اور تقویٰ کی اللہ تعالیٰ نے عنایت کی اس کا بیان نہیں ہوسکتا، باوجودیکہ بظاہر میں کوئی وجہ معاش نہ تھی مگر اس قدر اطمینان قلب تھا کہ کسی بادشاہ کو بھی میسر نہ ہوگا وہاں (گنج مرادآباد) سے لوٹنے کے بعد کسی نوکری کی خواہش دل میں نہ رہی، دل میں یہ خطرہ بھی نہ آتا تھا کہ وجہ معاش تو ہے نہیں گذر کیسے ہوگی؟ (حوالہ بالا)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا استغناء

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے استغناء اور قناعت کا یہ حال تھا کہ بڑے سے بڑے امیر سے جن کا تعلق بھی خصوصی ہوتا تھا آپ صرف نظر رکھتے، حتیٰ کہ جو حضرات بیعت ہوتے اور کچھ ہدیہ پیش کرتے تو اس کو بھی اس وقت قبول نہ فرماتے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں ''بیعت کرنے پر حضرت کی خدمت میں اگر نذر پیش کی گئی تو حضرت نے کبھی قبول نہیں فرمائی کہ صورۃً یہ توبہ کرانے کا معاوضہ بن جاتا ہے اور اس رسم کے مشابہ ہے جو آج کل دنیادار پیروں میں چل رہی ہے، ہاں! اس کے بعد انس ومحبت کا تعلق پیدا ہوکر اگر کوئی قلیل سے قلیل ہدیہ بھی پیش کرتا مسنون طریقہ پر آپ بخوشی قبول فرماتے۔

(حوالۂ بالا)

آٹھواں ادب

طالب علم اور دعا ومناجات

طالبان علوم نبوت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اوصاف حمیدہ سے کسی نہ کسی طرح متصف ہونے کی کوشش کریں، ظاہری اعتبار سے بھی مکمل آپؐ کی اقتدا اور اتباع ہو اور اوصاف حسنہ میں بھی آپؐ سے مناسبت اور خصوصی نسبت ہو، چونکہ علم وحکمت یہ نبوت کی میراث اور ترکہ ہے اور اس کو حاصل کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور نائب ہیں۔ اور انہی کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے کام کی ذمہ داری ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی جملہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے بدرجۂ اکمل واتم متصف تھی۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن آپؐ کی سیرت واحادیث اور آپؐ کی زندگی میں غور وفکر کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آپؐ کے جملہ اوصاف میں سب سے زیادہ غالب جو وصف تھا وہ دعا اور الحاح اور حق تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری اور اپنی ذات کی بالکلیہ نفی تھی، دنیا میں کسی نے اللہ سے اتنا نہیں مانگا جتنا آپؐ نے مانگا اور ایسے سوز وگداز کے ساتھ اور لاچاری ومحتاجی کے ایسے شدید احساس کے ساتھ کسی نے نہیں مانگا جیسا آپؐ نے اللہ سے مانگا۔

احادیث کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں دعائیں ہیں، ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعا میں اپنی کامل بے بسی وبے کسی کا اظہار

اور غایت درجہ کا تضرع وعبدیت کی روح بھری ہوئی ہے، یہ دعائیں آپ ﷺ کا خاص الخاص ورثہ ہے۔ طائف کے سفر کی دعا کے الفاظ میں ذرا غور کریں کہ کس طرح تضرع وگریہ زاری اور جلال خداوندی کی ہیبت اور اپنی بے کسی و بے بسی ہے۔

لہٰذا طالبان علوم نبوت کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ شروع ہی سے اپنے ہر مسئلہ کو اللہ سے حل کرانے کی اور دعا ومناجات کی عادت ڈالیں، علم نافع کی دولت بھی اللہ ہی سے مانگیں اور احادیث کی ماثور دعاؤں کو اپنا معمول بنائیں۔
(افادات مولانا منظور نعمانیؒ)

اللہ کی طرف سے دعا مانگنے کا حکم اور امت محمدیہ کا خاص اعزاز

ارشاد باری عزاسمہ ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْ خُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (سورۂ مومن)
ترجمہ: تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کرونگا۔ جو لوگ میری بندگی سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا اور جو دعا نہ مانگے اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی کہ ان کو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کرونگا، امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لئے عام کر دیا گیا۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۶۱۰ بحوالہ......ابن کثیر)

دعا کی حقیقت

آیت بالا کی تفسیر میں حضرت نعمان بن بشیر نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ'' یعنی دعا عبادت ہی ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ جملۂ اِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ' میں بقاعدۂ عربیت (قصر المسند علی المسند الیہ) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے، اور (قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر) یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے، یہاں دونوں احتمال ہیں اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔

(معارف القرآن نمبر ج ۷/۰ ۴۷)

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے لئے دعا کرنا ہو اس چیز کی طلب اور حاجت مندی کا دل میں شدت سے احساس ہو، جس طرح پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے پھر اللہ کے کرم اور فضل پر اعتماد کر کے پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ اس کامل یقین سے مانگے کہ وہ چیز بس اس کے خزانے میں اور اس کی قدرت میں ہے اور وہ اپنے کرم سے مجھ محتاج اور بھکاری کو ضرور عطا فرمائے گا۔ دعا اگر دل کی حضوری کے ساتھ نہ ہو، صرف زبان بول رہی ہو اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں، دل کہیں اور ہو تو یہ دعا نہیں، دعا تو دل کا عمل ہے، زبان سے صرف اس کا ظہور ہوتا ہے، بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ ہاتھوں کا اٹھنا، اور زبان سے دعا کے الفاظ کا نکلنا دعا کی صورت اور اس کی ظاہری شکل ہے، اس کی حقیقت توجہ کے ساتھ دل کی طلب اور دل کا اللہ سے مانگنا ہے۔

ایک عمدہ مثال

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب آدمی کو رنج وغم ہوتا ہے تو وہ روتا ہے، اس کے منہ سے رونے کی آواز نکلتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں لیکن یہ رونے کی آواز اور آنکھوں سے آنسو کا بہنا یہ رنج وغم کی اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ رنج وغم کی ظاہری شکل وصورت ہے، اصل رنج وغم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے، منہ اور آنکھوں سے اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ (افادات مولانا منظور نعمانیؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعائیں

لیکن افسوس ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دعا بہت کم مانگتے ہیں، اس کا اہتمام ہی نہیں کرتے اور کبھی مانگ بھی لیتے ہیں تو حال یہ ہوتا ہے کہ دعا صرف زبان اور ہاتھوں کی ہوتی ہے، دل متوجہ نہیں ہوتا، عزیز طلبہ سے گذارش ہے کہ آپ ابھی سے اس کی عادت ڈالیں کہ آپ کی دعا اصلی دعا ہو، حقیقی دعا ہو، دعا کی صرف ظاہری شکل وصورت نہ ہو، خاص کر تنہائی میں دل کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ سے مانگنے کی عادت ڈالیں، اللہ سے ایمان کی حقیقت، علم ومعرفت، نماز کی حقیقت، تقویٰ و توکل، دین کی خدمت کی توفیق اور اخلاق حسنہ مانگیں، تنہائیوں میں رو رو کر تڑپ تڑپ کر مانگیں، پھر دیکھیں اللہ کا کیسا فضل ہوتا ہے، خاص کر حضورؐ کی ماثور دعاؤں سے مناسبت پیدا کریں، سینکڑوں دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، یہ دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص ورثہ ہے اور بڑا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کی کنجی آپ ہی کے پاس ہے جو ان مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور قرآن وحدیث پڑھتے ہیں، افسوس ہمیں اس خزانے کے جواہرات کی قدر نہیں، اگر کوئی ایسا آلہ یا میٹر ہوتا جس سے آخرت کے لحاظ سے چیزوں کی قدر وقیمت جانچی جاسکتی تو معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی دعائیں دنیا و

مافیھا سے کتنی زیادہ قیمتی ہیں، اللہ توفیق مرحمت فرمائے اس کی اس نعمت کی قدر دانی کی اور اس کا شکر ادا کرنے کی کہ اس نے اس عربی تعلیم اور دینی مدارس کی برکت سے ہمارے لئے اس خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے، احادیث میں حضورؐ کی ماثور دعاؤں کو پڑھ کر اگر ہم اپنی دعائیں نہ بنائیں تو ہماری بدقسمتی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ (افادات مولانا منظور نعمانیؒ)

اللہ آج بھی وہ سب کچھ دے سکتا ہے جو پہلے لوگوں کو دیا

پوری توجہ کے ساتھ اللہ سے ہر چیز مانگیں، دنیوی ضرورتیں بھی اور آخرت میں رحمت، جنت، ایمان وتقویٰ، ذکر وعبادت کی حقیقت، اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور خاص کر علم نافع کی دولت خوب مانگیں، وہ سب کچھ عطا کرنے والا ہے، اس نے کسی بڑے سے بڑے کمال پر مہر نہیں لگائی ہے، اسنے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ جو اگلوں کو دے دیا گیا وہ بعد والوں کو نہیں دے گا۔

امام رازی اور امام غزالی ہمارے سر کے تاج ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ علم کا جو درجہ ان کو دے دیا گیا اب کسی کو نہیں دیا جائے گا، اسی طرح اگلے زمانے کے تمام اولیاء کرام ہمارے اکابر ہیں، ہم ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ولایت کا جو مقام ان کو دیا گیا تھا اب کسی کو عطا نہیں ہوگا، بلکہ جو بندہ کوئی کمال اور کوئی درجہ حاصل کرنے کی اخلاص کے ساتھ جدوجہد کرے اور اس کی شرائط پورے کرے اور اللہ سے مانگے جیسا کہ مانگنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ آج بھی عطا فرمائے گا اور وہ سب کچھ عطا فرمائے گا جو ہمارے اکابر و اسلاف کو دیا تھا، مگر شرط یہ ہے کہ ان کے طریقہ پر چلیں، ان کی طرح طالب علم، طالب دین اور طالب خدا بن جائیں۔ (حوالہ بالا)

قبولیت دعا کی شرائط

قرآن کریم کی جس آیت میں دعا کا حکم دیا گیا ہے اس میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں ہے، یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے، کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی، نہ دعا کے لئے کوئی وقت شرط، نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے، ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے، جیسا کہ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ''یا رب یا رب'' کہکر اپنی حاجت مانگتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح دوسری چیز غفلت و بے پرواہی کے ساتھ بغیر دھیان دئے دعا کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ غفلت والے دل کی دعا اللہ قبول نہیں کرتے۔

(مستفاد از معارف القرآن)

اسی طرح تیسری چیز جو دعا کی قبولیت کے لئے رکاوٹ بنتی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا ہے، جو اس امت کا فریضہ اور تمغۂ امتیاز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ خداؐ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، حضور اقدس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ جو کچھ ارشاد ہو اس کو سنوں، آپؐ نے حمد وثنا کے بعد

فرمایا، لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔ (ترغیب ترہیب)

اللہ کے شاہی خزانے میں آنسوؤں کی قیمت

حضرت نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس بادشاہ کے خزانے میں کوئی موتی دوسرے ملک سے منگایا جاتا ہے، اس کی قدر و منزلت خود بادشاہ بھی بہت کرتا ہے، ندامت کے آنسو جو گنہگاروں کی آنکھوں سے زمین پر گرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے شاہی خزانہ میں قبول ہوجاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے شاہی خزانہ میں صرف عزت وجلالت شان ہے، وہاں ندامت کے آنسو نہیں ہیں، لہٰذا اپنے بندوں کے اشکہائے ندامت کو دنیا سے درآمد کر کے بے انتہا قدر فرماتے ہیں اور شرف قبول عطا فرماتے ہیں اور شہیدوں کے خون کے برابر وزن فرماتے ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

تابِ نظر نہیں تھی کسی شیخ و شاب میں
ان کی جھلک بھی تھی میری چشم پرآب میں (کشکول معرفت)

قبولیت دعا کی پانچ ترتیبیں

کبھی یہ سوچ کر مایوس نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم دعائیں تو کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں بلکہ دعاؤں کی قبولیت پر کامل یقین رکھنا چاہیے اور قبولیت کا معنی ومطلب بھی سمجھنا چاہیئے، انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ ''وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا''۔

وہ ہر چیز کو جلدی ہی چاہتا ہے، مگر بعض دفعہ اللہ کے علم میں وہ چیز جلدی

دینا بندہ کی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز فوراً نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کی قبولیت کی پانچ ترتیبیں ہیں۔

پہلی ترتیب

قبولیت دعا کی پہلی ترتیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگا ہے بعینہ اللہ تعالیٰ بندہ کو وہی مرحمت فرمادیتے ہیں اور بغیر تاخیر کے دیتے ہیں، جس کا عام طور پر ہر ایک کو تجربہ ہوتا ہے کہ رات میں اللہ تعالیٰ سے ایک چیز مانگی اور صبح میں اللہ تعالیٰ نے وہ چیز دیدی۔

دوسری ترتیب

قبولیت دعا کی دوسری ترتیب یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی ہے وہ اللہ کے علم میں بندہ کی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے بدل میں دوسری چیز عطا کرتے ہیں۔ جو بندہ کی مصلحت کے موافق ہوتی ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑے مہربان ہیں۔

حضرت مریمؑ کی والدہ نے بیت المقدس کی خدمت کیلئے اللہ سے بیٹا مانگا تھا، مگر اللہ نے بیٹی دی، اور فرمایا ''وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى'' بیٹا ہوتا تو وہ اس بیٹی کی طرح نہ ہوتا، چونکہ اس بیٹی کے پیٹ سے ایک نبی پیدا ہوگا اور اس کے ماننے والے سینکڑوں ہزاروں ہوں گے۔

تیسری ترتیب

قبولیت دعا کی تیسری ترتیب یہ ہے کہ اللہ دیتے تو وہی ہے جو مانگا جاتا ہے مگر تاخیر سے دیتے ہیں، رلا رلا کر دیتے ہیں، اللہ کہتے ہیں کہ اگر میرے اس بندہ کی مراد فوراً پوری کردوں تو پھر یہ روئے گا نہیں بلبلائے گا نہیں اور مجھے اس کا

رونا بلبلانا پسند ہے اللہ کو بندہ کا رونا اگر پسند آجائے تو اس پر ہزاروں مرادیں قربان!

خوش نماید نالۂ شبہائے تو ☆ ذوقہا دارم بزاریہائے تو

لہٰذا اگر دعا کی قبولیت میں کبھی تاخیر ہو تو ناامید نہ ہونا چاہئے، دعا جاری رکھنا چاہیئے کہ اس بہانے سے مومن کو بہت دن تک اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل رہتا ہے۔

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
یہ عرض مسلسل کیا خوب بہانا ہے

چوتھی ترتیب

چوتھی ترتیب یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی گئی ہے، اللہ تعالیٰ وہ چیز نہیں دیتے نہ اس کے بدل کوئی دوسری چیز دیتے ہیں، البتہ دعا سے بندہ پر آنے والی مصیبت ٹال دیتے ہیں، جس سے وہ بہت بڑے نقصان سے بچ جاتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عین رحمت ہے۔

پانچویں ترتیب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو ریزرو کر دیتے ہیں، جمع کر دیتے ہیں اور آخرت میں اللہ اس کو مرحمت فرماتے ہیں، آخرت میں جب اس دعا کا انعام سامنے آیگا تو بندہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش میری کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوتی۔

(افادات حضرت مولانا محمد عمرؒ صاحب پالن پوری)

اسلاف کی دعا و مناجات اور خشیت

محمد ابن حسینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو معمر تنوری نے خبر دی کہ انہیں ابو محمد ربیع نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ یزید رقاشی رات کو اللہ کے سامنے بہت کثرت سے

روتے تھے، روتے روتے گر پڑتے تھے، پھر ہوش آتا تو پھر رونا شروع کر دیتے اور پھر روتے روتے بیہوش ہوکر گر پڑتے، بیہوشی کے عالم ہی میں انہیں گھر پہنچایا جاتا،

وہ اپنی گفتگو میں فرمایا کرتے تھے، میرے بھائیو! رونے کے دن سے پہلے رولو، نوحہ کا دن آنے سے پہلے نوحہ کرلو، توبہ کا وقت ختم ہونے سے پہلے توبہ کرلو۔

یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں علا بن محمد نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ عطا سلمی پرانے چھاگل کی طرح دکھائی دیتے تھے، نیز فرمایا کہ عطا کو دیکھ کر مجھے یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ یہ دنیا والوں میں سے نہیں ہیں، میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی بیوی کہنے لگیں دیکھو عطا دن رات روتے ہیں مگر تھکتے نہیں۔

(آہ وزاری ترجمہ الرقۃ والبکاء)

مالک بن ضیغم ایک مرتبہ شروع رات سے اخیر تک روتے رہے، نہ کوئی سجدہ کیا نہ رکوع کیا، خوف سے رات کے وقت اپنے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھا کرتے تھے کہ کہیں گناہوں کی نحوست کی وجہ سے میرا جسم مسخ تو نہیں کر دیا گیا،

یحییٰ بن نصر کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب امام ابوحنیفہؒ کے دوست تھے جس کی بناء پر میں کبھی کبھی امام صاحب کے یہاں رات کو سو جاتا تھا تو میں دیکھتا کہ امام ابوحنیفہ پوری رات نماز میں مشغول رہتے اور میں چٹائی پر ان کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح سنا کرتا تھا گویا کہ بارش ہو رہی ہو،

(اللہ والوں کی مقبولیت کا راز بحوالہ عقد الجمان)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے حکایات صحابہ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت محمد بن المنکدرؒ اپنے آنسوؤں کو اپنے چہرے اور داڑھی پر مل لیتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی جہاں یہ آنسو پہنچتے ہیں،

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چوں بگریم خلقہا گریاں شوند ☆ چوں بنالم چرخ نالہ خواں شوند

ترجمہ...... جب میں روتا ہوں تو ایک خلق میرے ساتھ روتی ہے اور جب میں نالہ کرتا ہوں تو آسمان میرے نالوں میں شریک ہوتے ہیں۔ (کشکول)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی دعا ومناجات

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ بچپن سے ہی عبادت وریاضت میں دلچسپی تھی، ان کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی۔

ملائے خشک وناہموار نہ باشی

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت رہا، دوسرے میں سندان عشق، عشق الٰہی کی لگن تو ان کا خاندانی ورثہ تھی، شیخ سیف الدین نے ان میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دئے تھے جو آخر عمر تک ان کے قلب وجگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں ان کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہوکر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے، لکھتے ہیں۔

''وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم درکثرت صلوٰۃ واوراد وشب خیزی ومناجات ہمدراں طفولیت بوجودمی آمد'' یعنی تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود اس زمانۂ طفلی میں نماز، اوراد، اور شب خیزی ومناجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانے میں جس ذوق وشوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اس کے گام ودھن لطف اندوز ہوتے تھے، فرماتے ہیں۔ ہنوز ذوق آں اسحار واوقات درکام وقت پیدا است۔

(اقوال سلف ج ۳ ص ۹۹)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی دعا ومناجات

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ عشاء کے بعد سجدہ میں تمام رات یہ شعر پڑھتے تھے اور رویا کرتے تھے ۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

ترجمہ......اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ فرما، اگر چہ میں سراپا برا ہوں لیکن آپ میرا عیب مخلوق پر ظاہر نہ فرمائیے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب اس طرح روتے تھے کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹتا تھا، اتنا رونے کے باوجود اس رونے کو کم سمجھتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے ۔

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے میری چشم تر نہیں (کشکول معرفت ۸۴)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی دعا ومناجات

حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت اخیر شب میں تحریمہ باندھ کر اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہوتے اور دست بستہ عرض معروض شروع فرماتے تو آپ پر وہ حالت نمایاں ہوتی تھی جو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے وقت غلام پر ہوتی ہے، بسا اوقات آپ پر گریہ طاری ہوجاتا آواز بھرّا جاتی ، ہچکی بندھ جاتی ، آنکھوں سے آنسوؤں کے تار موتیوں کی لڑیاں بن کر بہتے اور سارے بدن پر ایک رعشہ پیدا ہوجاتا تھا، شہنشاہی فرمان یعنی مقدس قرآن کی آیات آپ پڑھتے اور تغیر حال کے سبب رک جاتے تھے، پھر شروع فرماتے اور پھر ٹھہر جاتے تھے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آیت شریفہ پر آپ نے صبح کردی کہ اس کو

باربار دہراتے اوراعادہ فرماتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی دعاومناجات

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں ''میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد صاحب اورحضرت مدنی قدس سرہٗ کو اخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اوقات ان اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی جس کی آنکھ سونے کے بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔

حضرت مدنیؒ ہندی کے دوہے دردسے پڑھا کرتے تھے میں ہندی سے واقف نہیں، اس لئے مضامین کا تو پتہ نہیں چلتا تھا، لیکن رونے کا منظر اب تک کانوں اوردل میں ہے جیسے کوئی بچہ کو پیٹ رہا ہواوروہ رورہا ہو۔ (آپ بیتی)

حضرت اپنی مناجات میں یہ شعر بہت رورو کر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کالی کودیکھے نہ گوری کو دیکھے ☆ پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی دعاومناجات

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت کے بعد استغفار میں دیر تک رویا کرتے تھے اور اپنی مجلس میں جب اللہ تعالیٰ کی کوئی بات شروع کرتے تو اللہ کا نام لیتے ہی آنسو نکل کر چہرہ مبارک پر ٹھہرے رہتے تھے، پھر حضرت دونوں ہاتھوں سے ان آنسوؤں کو چہرے اور ڈاڑھی پر مل لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شیخ حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا ہے۔ (کشکول معرفت ص ۵۷۴)

اسٹاکسٹ
مکتبہ ملت دیوبند
ضلع سہارنپور (یوپی) پن نمبر ۲۴۷۵۵۴ فون: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۶۸
www.besturdubooks.net